کیرالا ریڈر

اردو

گیارہویں جماعت

Kerala Reader
URDU
Standard
XI

GOVERNMENT OF KERALA
DEPARTMENT OF EDUCATION

Prepared by

State Council of Educational Research and Training (SCERT)
Kerala.
2015

قومی ترانہ

جن گن من ادھی نایک جیہ ہے
بھارت بھاگیہ ودھاتا
پنجاب سندھ گجرات مراٹھا
دراوڑ اتکل بنگا
وندھیہ ہماچل یمنا گنگا
اچھل جل دھی ترنگا
توا شبھ نامے جاگے
توا شبھ آشش ماگے
گاہے توا جیا گاتھا
جن گن منگل دایک جئے ہے
بھارت بھاگیہ ودھاتا
جیہ ہے جیہ ہے جیہ ہے
جیہ جیہ جیہ جیہ ہے!

عہدنامہ

ہندوستان میرا وطن ہے۔تمام ہندوستانی میرے بھائی اور بہن ہیں۔میں اپنے ملک سے محبت کرتا ہوں اور مجھے اس کے متنوع اور بیش بہاورثے پر فخر ہے۔میں ہمیشہ اس کے شایانِ شان بننے کی کوشش کروں گا۔میں اپنے والدین، اساتذہ اور بزرگوں کا ادب کروں گا اور ہر ایک کےساتھ خوش خلقی سے پیش آؤں گا ۔میں اپنے ملک اور لوگوں سےعقیدت کا عہدکرتا ہوں،ان کی بھلائی اور خوش حالی میں میری خوشی مضمر ہے۔

Prepared by
(State Council of Educational Research & Training (SCERT
Poojappura, Thiruvananthapuram-12, Kerala
E-mail: scert@gmail.com
©
Government of Kerala
Department of Education
2015

آئینِ ہند

(حصّہ چہارم (A))

بنیادی فرائض :

۵۱ A بھارت کے ہر شہری کا یہ فرض ہوگا کہ وہ

۱) آئین پر کار بند رہے اور اس کے نصب العین اور اداروں، قومی پرچم اور قومی ترانے کا احترام کرے۔

۲) ان اعلیٰ مقاصد کو عزیز رکھے اور ان کی تقلید کرے جو آزادی کی تحریک میں قوم کی رہنمائی کرتے رہے ہیں ۔

۳) بھارت کے اقتدار اعلیٰ، اتحاد اور سالمیت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کر کے ان کا تحفظ کرے۔

۴) ملک کی حفاظت کرے اور جب ضرورت پڑے، قومی خدمت انجام دے۔

۵) مذہبی، لسانی اور علاقائی وطبقاتی تفرقات سے قطع نظر بھارت کے عوام کے مابین یک جہتی اور عام بھائی چارے کے جذبے کو فروغ دے نیز ایسی حرکات سے باز رہے جن سے خواتین کے وقار کو ٹھیس پہنچتی ہو۔

۶) ملک کی ملی جلی ثقافت کی قدر کرے اور اسے برقرار رکھے ۔

۷) قدرتی ماحول کو جس میں جنگلات، جھیلیں، دریا اور جنگلی جانور شامل ہیں محفوظ رکھے، بہتر بنائے اور جانداروں کے تئیں محبت وشفقت کا جذبہ رکھے۔

۸) دانشورانہ رویّے سے کام لے کر انسان دوستی اور تحقیقی واصلاحی شعور کو فروغ دے۔

۹) قومی جائداد کا تحفظ کرے اور تشدد سے گریز کرے۔

۱۰) تمام انفرادی اور اجتماعی شعبوں کی بہتر کارکردگی کے لیے کوشاں رہے اور متواتر ترقی سے کامیابی کی منازل طے کرنے میں سرگرم عمل رہے۔

۱۱) جو والدین یا سرپرست ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ بچّوں کو جن کی عمر چھ سال اور چودہ سال کے درمیان ہے، تعلیم کے مواقع فراہم کریں۔

پیارے بچّو!

گیارہویں جماعت کی درسی کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے بڑی بیش قیمت ہے۔

مجھے امید ہے کہ یہ کتاب آپ کو بہت پسند آئے گی کیوں کہ آپ میں اردو زبان وادب سے دلچسپی پیدا کرنے کے لیے اردو ادب کے اصنافِ نثر و نظم سے معیاری اور دلچسپ انتخاب کو پیش کیا گیا ہے۔ اس میں خوب صورت غزلیں، رباعیاں اور نظموں کے علاوہ دلچسپ افسانہ، ڈرامہ، مضمون، تقریر، آپ بیتی اور خط بھی شامل کیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں آپ کے اندر حبِ وطن، قومی یک جہتی، مذہبی رواداری، جنسی مساوات وغیرہ جذبوں کو ابھارنے اور آپ کی شخصیت کو سنوارنے کے تمام سامان موجود ہیں۔ اس کو ترتیب دینے میں ریاستِ کیرالا کے ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں اور کالجوں کے ماہرین تعلیم کی کاوشوں کا بھی بڑا دخل ہے۔

میری آرزو ہے کہ آپ اس کتاب سے خوب فائدہ اٹھائیں تاکہ آپ میں اردو زبان وادب سے دلچسپی پیدا ہو جائے اور آپ کی زبانی صلاحیتوں میں خاطر خواہ اضافہ ہو۔

ڈاکٹر ایس۔ رویندرن نائر

ڈائریکٹر

ایس۔سی۔ای۔آر۔ٹی

کیرالا

Text book Development Committee
Urdu - Standard XI

Members

Beerankutty.N
HSST Urdu, GGHSS Malappuram

Latheef.M
HSST Urdu, Seethi Sahib HSS Taliparamba

Anwar.V.P
HSSTUrdu MIMHSS Perode, Kozhikode

Shajimon.P
HSST Urdu,BHSS Mavandiyur Malappuram

P.K.Ranjith
HSST Urdu, GHSS Koduvally,Kozhikode

Nisar.V
HSST Urdu GHSS Thamarassery

P.P.Abdurahman
Principal(Rtd.),GTTI Nadakkavu, Kozhikode

Experts

N. Moideen Kutty
Research Officer (Rtd.)
SCERT, Thiruvananthapuram.

Dr. Syed Sajjad Hussain
Chairman & Prof. of Urdu
University of Madras,Chennai

Dr. Abdul Gaffar
HOD of Urdu (Rtd).
Govt College Malappuram

Dr. M.D.Nisar Ahammed
Professor, Dept. of Urdu
S V University, Thirupathi.

Shaik Ghouse Mohiaddeen
HoD Urdu (Rtd.), Govt. Brennen College, Thalassery

Dr. Nakulan.K.V
Associate Professor in Urdu
SSUS Kalady(RC Koyilandy)

Artists

Madhavan.V.P
Drawing Teacher,GTTI(M) Nadakkavu
Kozhikode

K.Tagore
Drawing Teacher
SNHS Sreekandeswaram, Poochakkal

Academic Co-ordinator

Dr. Faisal Mavulladathil
Research Officer, SCERT, Thiruvananthapuram.

فہرست

یونٹ: ۱

آتی ہے اردو زبان آتے آتے

۱	آپ کا پیارا گاندھی	خط	مہاتما گاندھی	۹
۲	آدمی نامہ	نظم	نظیرؔ اکبرآبادی	۱۵
۳	رباعی	نظم	فراقؔ گورکھپوری	۱۹

یونٹ: ۲

سب سے پیارا گلستاں ہمارا

۴	ٹوبہ ٹیک سنگھ	افسانہ	سعادت حسن منٹو	۲۳
۵	تاج محل	نظم	ساحرؔ لدھیانوی	۴۱
٦	ایک آزادی کا متوالا	ڈراما	احسان الحق	۴۵

یونٹ: ۳

فن کی دنیا من کی دنیا

۷	غزل	نظم	مرزا غالبؔ	۶۲
۸	ہے جس کی زبان اردو کی طرح	مضمون	مرتب	۶۵
۹	غزل	نظم	ناصرؔ کاظمی	۷۴

یونٹ: ۴

یہ دنیا ہے سب کی یہ سب کے لئے

۱۰	میری خواہش ہے	آپ بیتی	کنجونّی ماش	۷۹
۱۱	شکایت	آزاد نظم	ندؔا فاضلی	۸۷
۱۲	رباعی	نظم	امجدؔ حیدر آبادی	۹۰
۱۳	مجھے کچھ کہنا ہے	تقریر	اے پی جے عبدالکلام	۹۲

یونٹ: ۱

آتی ہے اردو زبان آتے آتے

سبق -۱

آپ کا پیارا گاندھی

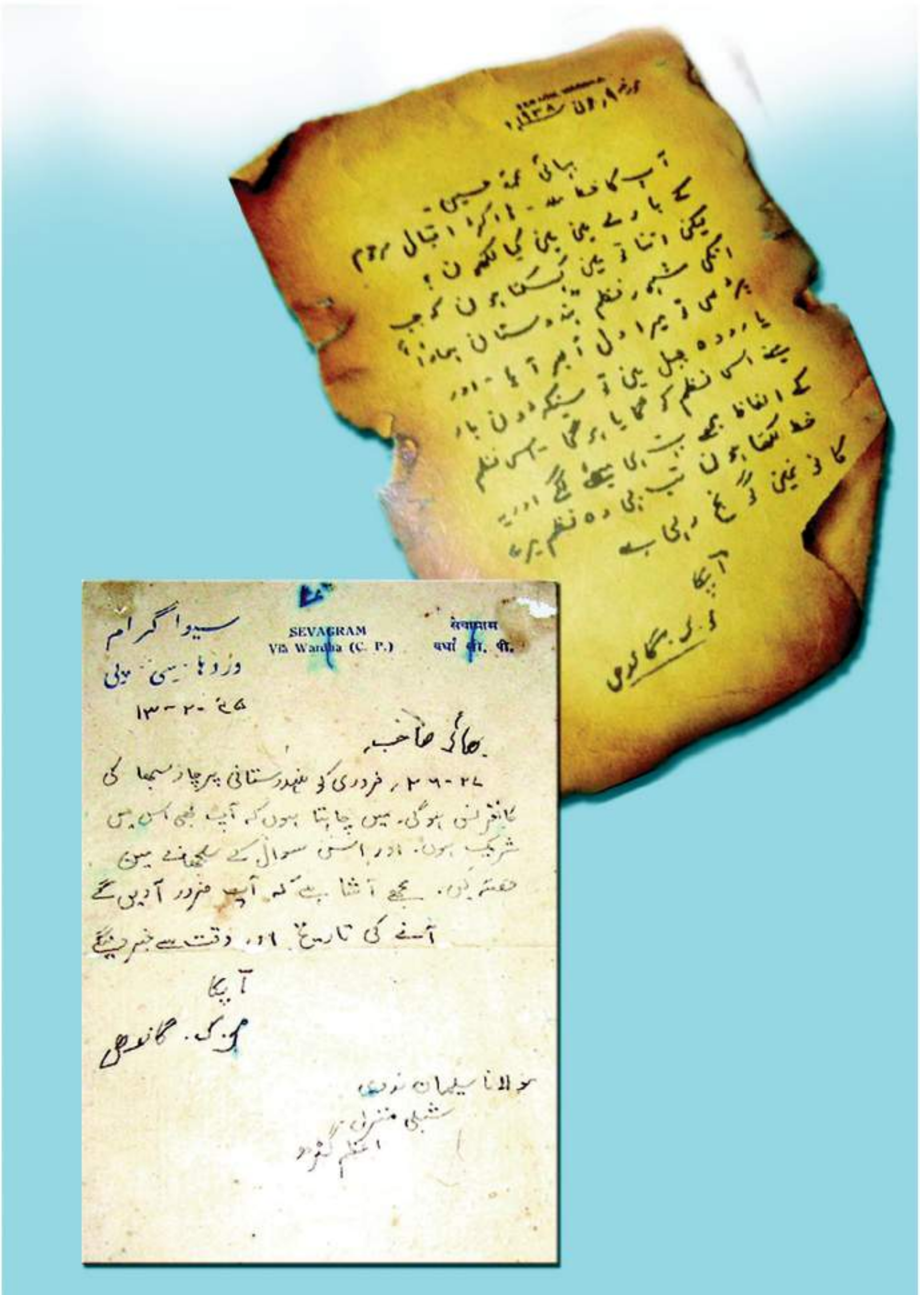

پیاری بیٹی زہرہ،

تمہارے دونوں خط مل گئے ہیں۔ خدا کی مہربانی سے میری صحت اچھی ہو رہی ہے۔ خدا نے فاقہ کروایا تھا، خدا نے ہی کھانا دیا۔ اب ہم سب خدا سے مانگیں کہ ہندو مسلم کے بیچ بھی ملاپ پیدا کر دے۔ جب تک یہ نہیں ہوتا مجھے پوری شانتی ہو نہیں سکتی۔ ابّا جان کے خط مجھے ملتے رہتے ہیں۔

اب تمہیں استانی کا کام شروع کر دینا ہے۔ تمہارے خط میرے لیے سبق ہو جاتے ہیں۔ میرے پاس کافی اردو خط آتے ہیں۔ تم سے بڑھ کر کسی کے حروف خوبصورت نہیں ہوتے۔ تمہارے حرف کے لیے ہی تمہارے خط بار بار پڑھنے کا دل چاہتا ہے۔ ہاں! آج کل 'با' دن بھر میرے ساتھ رہتی ہے۔ سردار اور مہادیو دیسائی تو ساتھ ہی ہے۔ اماں جان کو ہم سب کی طرف سے بہت سلام۔ تمہارے لیے بہت دعا۔

یرواده جیل
۱۰ مارچ ۱۹۳۲

آپ کا
مو۔ک گاندھی

اشارہ

مشہور قومی رہنما ڈاکٹر مختار انصاری کی بیٹی زہرہ انصاری سے گاندھی جی بڑی شفقت سے پیش آتے تھے اور ان سے اردو میں خط و کتابت بھی کرتے تھے۔ اردو رسم خط کی نزاکتوں کے سلسلے میں وہ خطوط کے ذریعے زہرہ انصاری سے مشورہ بھی کرتے تھے۔ یہ خط انھوں نے یرواده جیل میں ۱۰ مارچ ۱۹۳۲ء کو زہرہ انصاری کے نام لکھا تھا۔

مکتوب نگاری

مکتوب نگاری ایک فن ہے۔ دنیا کے بہترین مکتوب نگاروں نے اپنے خطوط میں ذاتی اور شخصی غم و خوشی کے واقعات کو اپنے مخصوص لب و لہجہ میں بیان کیا ہے۔ خطوط عموماً ذاتی غرض سے لکھے جاتے ہیں۔ لیکن ایسے خطوط بھی ہوتے ہیں جن سے دوسروں کی بھلائی مقصود ہوتی ہے ۔اچھے مکتوب نگار کی پہچان یہ ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں میں حسن تلاش کر لیتا ہے۔ خطوط کاغذ کے ٹکڑوں پر بکھرے ہوئے محض بے جان الفاظ نہیں ہوتے، یہ بولتے بھی ہیں ۔مکتوب نگار کا مخاطب کوئی ہو اور وہ کسی بھی عہد کا انسان ہو ۔ اگر وہ اس فن میں کامیاب ہے تو اس کا خط زمین پر رہنے والے ہر عہد کے انسان کے لیے ہے اور جب بھی کوئی اس کا خط پڑھے گا اسے محسوس ہوگا کہ وہ اسی زمانے میں پہنچ گیا ہے ۔ مکاتیب کا ادبی مرتبہ تو ہے ہی فنِ تاریخ نویسی کے نقطۂ نظر سے بھی ان کی اہمیت ہمیشہ باقی رہے گی۔

مہاتما گاندھی

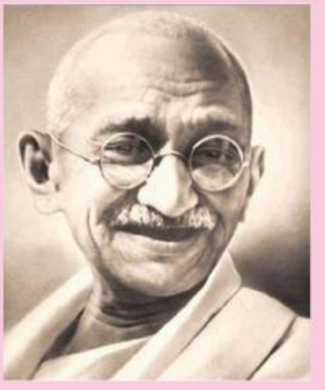

بابائے قوم گاندھی جی کسی تعارف کے محتاج نہیں ۔وہ جدید ہندوستانی سیاست کے بلند ترین مینار تھے۔ جنھوں نے غلام ہندوستان کو آزاد کر نے کے سلسلے میں تحریک آزادی کوسمت ورفتار دی۔ گاندھی جی کو اردو پڑھنے کا خاص شوق تھا ۔ گاندھی جی کی اردو سے دلچسپی دراصل ان کے قیام افریقہ کی یادگارتھی۔ گاندھی جی کے سوانح نگار، ڈی۔جی۔ٹینڈولکر۔ (DG Tendulker) نے لکھا ہے کہ افریقہ میں وہ بچوں کو تھوڑی تامل اوراردو بھی سکھاتے تھے۔جیل میں جو کتابیں ان کے پاس تھیں ان میں سے ایک 'معلّم اردو' تھی جو انہیں مولانا ابو الکلام آزاد نے دی تھی۔ گاندھی جی نے اپنی کتاب The way to communal harmony میں لکھاہے کہ جب وہ یروادہ جیل میں تھے تو انہوں نے یگانہ طیب جی اور زہرہ انصاری سے اردو سیکھی۔ انہوں نے اس بات کی وضاحت کی کہ خط وکتابت کے ذریعے ان دو خواتین سے اردو سیکھی۔

اسم

بچّو ! گاندھی جی کے اس خط پر غور کیجیے۔ اس میں زہرہ ، یرِوادہ ، خط ، ہندو، مسلمان،اردو، مہادیو دیسائی وغیرہ چند ایسے الفاظ ہیں جو کسی شخص ،چیز یا جگہ کے نام ہیں۔ کسی چیز ، شخص یا جگہ کے نام کی حیثیت سے استعمال ہونے والے الفاظ کو ''اسم'' کہتے ہیں۔ زہرہ ، یرِوادہ، مہادیو دیسائی، گاندھی جی وغیرہ اسماء کسی مخصوص شخص یا جگہ کے لیے استعمال کیے گیے ہیں۔ ایسے اسماء'' اسم خاص'' کہلاتے ہیں۔

خط، کتاب، جانور، پیڑ وغیرہ چند ایسے اسماء ہیں جو کسی خصوصیت کے بغیر عام چیزوں ، ناموں یا جگہوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ایسے اسماء'' اسم عام''کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

لقب، خطاب،تخلّص اور عرف اسم خاص کے چند اقسام ہیں۔ اسم ذات، اسم جمع، اسم ظرف، اسم آلہ وغیرہ اسم عام کی قسمیں ہیں۔

سرگرمیاں

۱) ''اب ہم سب خدا سے مانگیں کہ ہندو مسلم کے بیچ بھی ملاپ پیدا کر دے جب تک یہ نہیں ہوتا مجھے پوری شانتی ہو نہیں سکتی'' گاندھی جی کے اس قول پر آپ کے خیالات واضح کیجیے۔

۲) گاندھی جی کے اس خط کے جواب میں زہرہ نے کیا لکھا ہوگا؟ زہرہ کا جوابی خط تیار کیجیے۔

۳) ہندوستان کی موجودہ حالت بیان کر تے ہوئے گاندھی جی کے نام ایک خط لکھیے۔

۴) 'اردو کلب' کے تحت آپ کے اسکول میں گاندھی جینتی کا جشن منانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کا اعلان کر تے ہوئے ایک نوٹیس تیار کیجیے۔

۵) ''گاندھی جینتی'' کے موقع پر آپ کے اسکول میں مختلف پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں۔ اخبار میں شائع کرنے کے لیے اس کی ایک رپورٹ تیار کیجیے۔

٦) اس خط میں بہت سے اسماء استعمال ہوئے ہیں۔ اس طرح آپ نے بھی مختلف قسم کے اسماء سنے ہوں گے انہیں جمع کیجیے اور ان کو اسم خاص اور اسم عام کے زمروں کے تحت لکھیے۔

سبق - ۲

آدمی نامہ

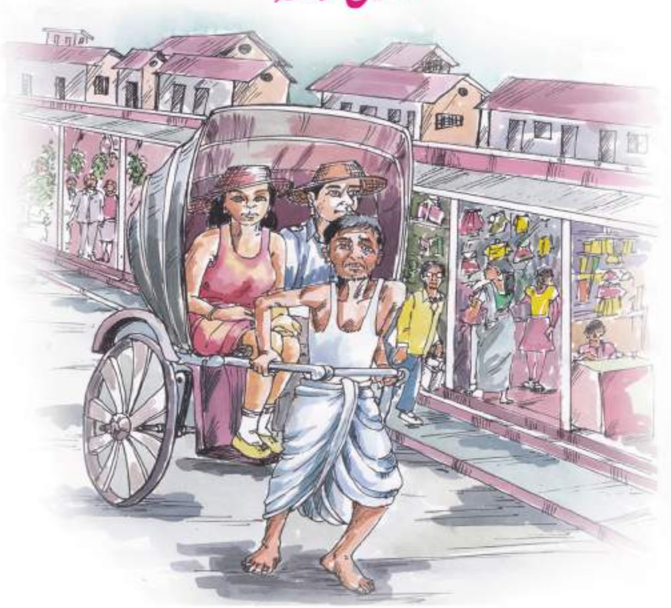

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار و بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نور
یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
کل آدمی کا حسن و قبح میں ہے یاں ظہور
شیطان بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکر و زور
اور ہادی و رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی بنائی ہے یاں میاں
بنتے ہیں آدمی ہی امام و خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن و نماز یاں
اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں
جو ان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہیں آدمی
اور آدمی کو تیغ سے مارے ہیں آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اتارے ہے آدمی
چلّا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار
نہلا دُھلا اٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار
سب آدمی ہی کرتے ہیں مردے کا کاروبار
اور وہ جو مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

نظیر اکبر آبادی

نظم

نظم کے لغوی معنیٰ 'لڑی میں موتی پرونا' ہے۔ عام طور پر نظم کا ایک مرکزی خیال ہوتا ہے۔ جس کے گرد پوری نظم کا تانا بانا بُنا جاتا ہے۔ خیال کا تسلسل بھی نظم کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ طویل نظموں میں یہ تسلسل واضح ہوتا ہے۔ نظم کے لیے ہیئت یا موضوعات کی کوئی قید نہیں ہے۔ پابند نظم میں بحر کا استعمال اور قافیہ کی ترتیب میں مقررہ اصولوں کی پابندی کی جاتی ہے۔ علاّمہ اقبالؔ، فیض احمد فیضؔ، جوشؔ ملیح آبادی، برج نارائن چکبستؔ وغیرہ اردو کے مشہور نظم گو شعرا ہیں۔

نظیؔر اکبرآبادی (۱۷۴۰ - ۱۸۳۰)

ولی محمد نام، نظیؔر تخلّص تھا۔ دلّی میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمر میں آگرہ چلے گئے۔ متھرا میں معلّمی کے فرائض انجام دیے اور ساری عمر آگرہ میں گزار دی۔ نظیؔر نے مختلف شعری اصناف میں طبع آزمائی کی ہے لیکن نظم گو شاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ نظیؔر اکبرآبادی کا مشاہدہ وسیع تھا۔ انھوں نے زندگی کے تقریباً ہر پہلو کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ ہندوستان کے رسم و رواج، میلوں ٹھیلوں، تفریحات و مشاغل پر جتنی نظمیں نظیؔر نے کہی ہیں، شاید ہی کسی اور شاعر نے کہی ہوں۔ نظیؔر کو زبان و بیان پر قدرت حاصل تھی۔ ان کی زبان انتہائی صاف، سہل اور سادہ ہے اور وہ اردو کے عوامی شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔

سرگرمیاں

١ شیطان بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکر و زور
اور ہادی و رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی
آج کے حالات کے پیش نظر اس شعر کی وضاحت کیجیے۔

٢ نظیؔر اکبرآبادی کہتے ہیں ''جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی''
سماج میں بھیک مانگنے والوں کی تعداد دن بہ دن بڑھ رہی ہے۔ اس پر قابو پانے کے لیے اپنی تجاویز پیش کیجیے۔

٣ نظیؔر اکبر آبادی نے آدمی کو موضوع بنا کر نظم 'آدمی نامہ' لکھی ہے۔ اسی طرح آپ کے پسندیدہ کسی ایک موضوع پر چند مصرعے لکھیے۔
جیسے : خواب ، برسات ، سفر ، ریل گاڑی ....

۴ نظم آدمی نامہ میں کونسا بند آپ کو زیادہ پسند ہے ؟ کیوں ؟ واضح کیجیے۔

۵ موجودہ زمانے میں انسانیت کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہی۔ آئے دن اخباروں میں ہم بہت سارے سماجی مسائل کی خبریں پڑھتے ہیں۔ ایسے کوئی پانچ اہم سماجی مسائل کی فہرست تیار کیجیے اور کسی ایک پر مضمون تیار کیجیے اور اسے پیش کیجیے۔

٦ نظیؔر اکبرآبادی نے نظم آدمی نامہ میں انسان کی بہت ساری خصوصیتوں کا ذکر کیا ہے۔ آپ کی زندگی میں بھی دوسروں کے ساتھ صلہ رحمی اور رواداری کے کئی واقعات پیش آئے ہوں گے۔ ایسا کوئی ایک واقعہ بیان کیجیے۔

سبق - ۳

رباعی

تو ہاتھ کو جب ہاتھ میں لے لیتی ہے
دکھ درد زمانے کے مٹا دیتی ہے
سنسار کے تپتے ہوئے ویرانے میں
سکھ شانت کی گویا تو ہری کھیتی ہے

فراقؔ گورکھپوری

رباعی

چار مصرعے والی نظم کو رباعی کہتے ہیں۔ اس کا دوسرا نام دو بیتی ہے۔ رباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتا ہے۔ رباعی کا چوتھا مصرعہ سب سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ اس میں حسن و عشق، فلسفہ و اخلاق اور مذہب وتصوف کے علاوہ شاعر کے افکار و خیالات کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ رباعی کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ شروع کے تین مصرعوں میں کہی گئی بات کو چوتھا مصرعہ مکمّل کرتا ہے۔ اس لیے آخری مصرعہ زوردار اور بھرپور ہوتا ہے۔رباعی گو شعراٗ میں انیسؔ، امجدؔ حیدرآبادی، جگت موہن لال رواںؔ، فراقؔ گورکھپوری وغیرہ مقبولِ عام ہیں۔

فراقؔ گورکھپوری (۱۸۹۶-۱۹۸۲)

رگھوپتی سہائے فراقؔ، گورکھپور (اترپردیش) میں پیدا ہوئے۔ گھر میں شعر وشاعری کا چرچا عام تھا۔ان کے والد عبرتؔ بھی مشہور شاعر تھے۔ فراقؔ نے تعلیم الہ آباد میں حاصل کی اور اردو اور فارسی کے علاوہ انگریزی میں بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ انگریزی میں ایم۔اے۔کرنے کے بعدالہ آباد یونیورسٹی میں انگریزی کے استاد ہو گئے۔ یہیں سے ۱۹۵۹ء میں وظیفہ یاب ہوئے۔ ۱۹۶۸ء میں پدما بھوشن، ۱۹۶۹ء میں گیان پیٹھ کے

علاوہ کئی اور ادبی انعامات سے نوازا گیا۔ فراقؔ گورکھپوری کے کلام کے کئی مجموعے شائع ہوئے۔ان میں 'روحِ کائنات' 'رمز و کنایات' 'غزلستان' 'شبنمستان اور 'گلِ نغمہ' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ان کی رباعیوں کا مجموعہ 'روپ' بھی بہت مشہور ہے۔ اردو شاعری میں فراقؔ نے غزل اور رباعی کو ایک نیا معیار بخشا۔ انھوں نے رباعی کی صنف کو ہندوستانی ثقافت کا ترجمان بنا دیا۔

سرگرمیاں

١ شاعر کے خیال میں مل جل کر رہنا ایک بہتر سماج کی تشکیل کے لیے لازمی ہے۔ اس کے بارے میں اپنے خیالات واضح کیجیے۔

٢ اصنافِ شاعری میں رباعی کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ اس قول پر آپ کی رائے پیش کیجیے۔

٣ 'اتحاد میں طاقت ہے' اس عنوان پر منعقدہ سمینار میں شرکت کرنے کا موقع ملے تو آپ کیا کیا نکات پیش کریں گے ؟ ایک مضمون تیار کیجیے۔

٤ مل جل کر رہنا اس رباعی کا مرکزی خیال ہے۔ اس موضوع سے متعلق چند اشعار اکٹھا کر کے ایک خصوصی نمبر تیار کیجیے۔

٥ اپنی پسند کے کسی ایک رباعی گو شاعر کے بارے میں اظہارِ خیال کیجیے۔

٦ اس رباعی کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

یونٹ: ۲

سب سے پیارا گلستاں ہمارا

سبق - ۴

ٹوبہ ٹیک سنگھ

بٹوارے کے دو تین سال بعد پاکستان اور ہندوستان کی حکومتوں کو خیال آیا کہ اخلاقی قیدیوں کی طرح پاگلوں کا تبادلہ بھی ہونا چاہیے یعنی جو مسلمان پاگل، ہندوستان کے پاگل خانوں میں ہیں انہیں پاکستان پہنچا دیا جائے اور جو ہندو اور سکھ پاکستان کے پاگل خانوں میں ہیں انہیں ہندوستان کے حوالے کر دیا جائے۔

معلوم نہیں یہ بات معقول تھی یا غیر معقول، بہر حال دانشمندوں کے فیصلے کے مطابق ادھر ادھر اونچی سطح کی کانفرنسیں ہوئیں اور بالآخر ایک دن

پاگلوں کے تبادلے کے لیے مقرر ہو گیا ۔ اچھی طرح چھان بین کی گئی وہ مسلمان پاگل جن کے لواحقین ہندوستان ہی میں تھے ، وہیں رہنے دیے گئے تھے جو باقی تھے ان کو سرحد پر روانہ کر دیا گیا۔ یہاں پاکستان میں چونکہ قریب قریب تمام ہندو ،سکھ جا چکے تھے۔ اس لیے کسی کو رکھنے رکھانے کا سوال ہی نہ پیدا ہوا ۔ جتنے ہندو سکھ پاگل تھے ۔ سب کے سب پولیس کی حفاظت میں سرحد پہنچادیے گئے۔

اُدھر کا معلوم نہیں۔ لیکن اِدھر لاہور کے پاگل خانے میں جب اس تبادلے کی خبر پہنچی تو بڑی دلچسپ چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ ایک مسلمان پاگل جو بارہ برس سے ہر روز باقاعدگی کے ساتھ ''زمیندار'' پڑھتا تھا اس سے جب اس کے ایک دوست نے پوچھا: ''مولبی ساب، یہ پاکستان کیا

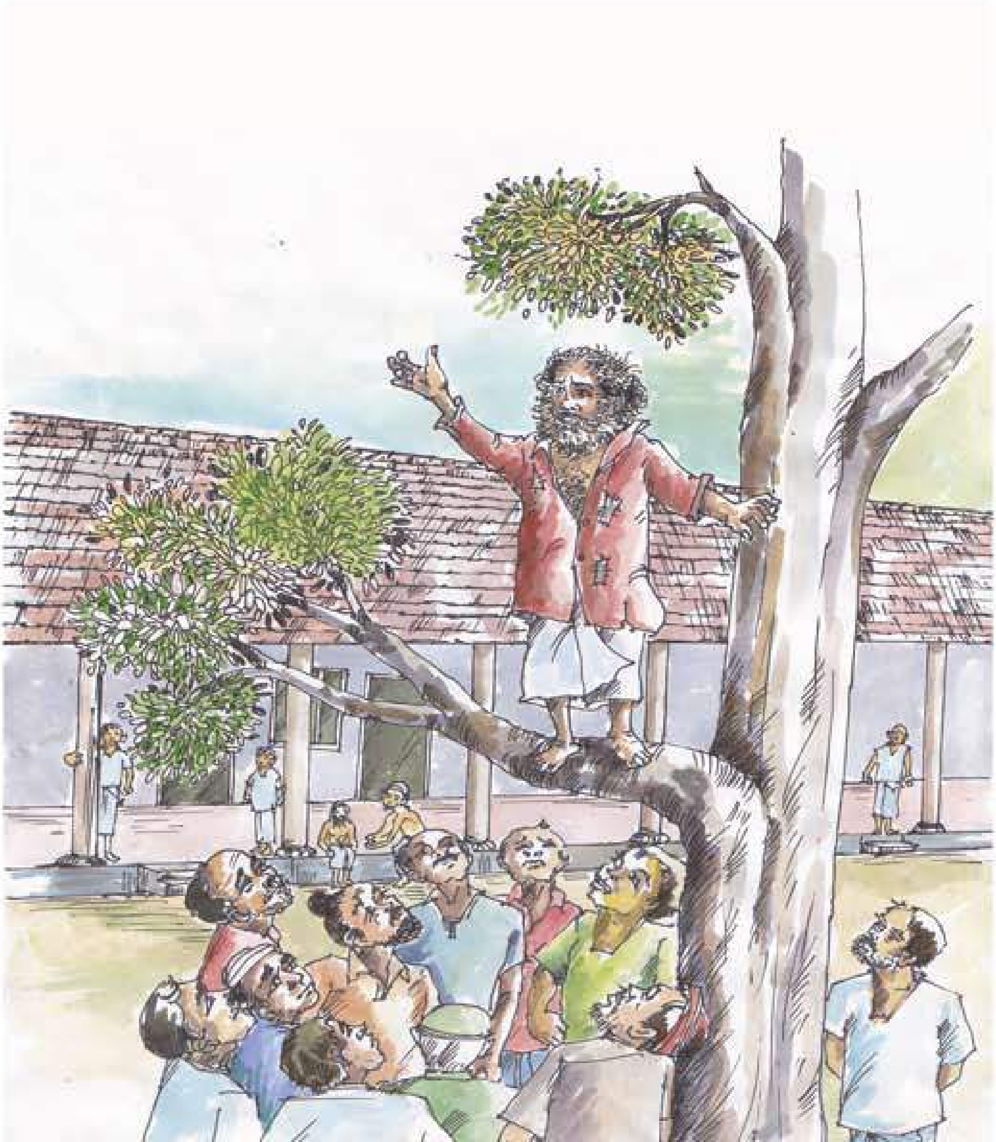

ہوتا ہے۔ تو اس نے بڑے غور و فکر کے بعد جواب دیا۔ ہندوستان میں ایک ایسی جگہ ہے جہاں استرے بنتے ہیں۔''

یہ جواب سن کر اس کا دوست مطمئن ہو گیا۔

ایک پاگل تو پاکستان اور ہندوستان اور ہندوستان اور پاکستان کے چکر میں کچھ ایسا گرفتار ہوا کہ اور زیادہ پاگل ہوگیا۔ جھاڑو دیتے دیتے ایک دن درخت پر چڑھ گیا اور ٹہنے پر چڑھ کر دو گھنٹے مسلسل تقریر کرتا رہا۔ جو پاکستان اور ہندوستان کے نازک مسئلے پر تھی۔ سپاہیوں نے اسے نیچے اترنے کو کہا تو وہ اور اوپر چڑھ گیا۔ ڈرایا دھمکایا گیا تو اس نے کہا............"میں ہندوستان میں رہنا چاہتا ہوں نہ پاکستان میں............ میں اس درخت ہی پر رہوں گا۔"

بڑی مشکلوں کے بعد جب اس کا دورہ سرد پڑا وہ نیچے اترااور اپنے ہندو سکھ دوستوں سے گلے مل مل کر رونے لگا اس خیال سے اس کا دل بھر آیا تھا کہ وہ اسے چھوڑ

کر ہندوستان چلے جائیں گے۔ایک ایم۔ایس۔سی پاس ریڈیو انجنیئر جو مسلمان تھا اور دوسرے پاگلوں سے بالکل الگ تھلگ باغ کی ایک خاص روش پر سارا دن خاموش ٹہلتا رہتا تھا، یہ تبدیلی نمودار ہوئی کہ اس نے تمام کپڑے اتار کر دفعدار کے حوالے کر دیے اور ننگ دھڑنگ سارے باغ میں چلنا پھرنا شروع کر دیا۔

ایک سکھ تھا جس کو پاگل خانے میں داخل ہوئے پندرہ برس ہو چکے تھے۔ ہر وقت اس کی زبان سے یہ عجیب و غریب الفاظ سننے میں آتے تھے۔

”او پڑدی گڑ گڑ دی انیکس دی بے دھیانا دی منگ دی دال آف دی لالٹین۔“

دن کو سوتا تھا نہ رات کو۔ پہرہ داروں کا یہ کہنا تھا کہ

پندرہ برس کے طویل عرصے میں وہ ایک لحظے کے لیے بھی نہیں سویا۔ لیٹتا بھی نہیں تھا۔ البتہ کبھی کبھی کسی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا لیتا تھا۔

ہر وقت کھڑا رہنے سے اس کے پاؤں سوج گئے تھے۔ پنڈلیاں بھی پھول گئی تھیں مگر اس جسمانی تکلیف کے باوجود لیٹ کر آرام نہیں کرتا تھا۔ ہندوستان ، پاکستان اور پاگلوں کے تبادلے کے متعلق جب کبھی پاگل خانے میں گفتگو ہوتی تھی تو وہ غور سے سنتا تھا۔ کوئی اس سے پوچھتا کہ اس کا کیا خیال ہے تو وہ بڑی سنجیدگی سے جواب دیتا۔

"او پڑ دی گڑگڑ دی انیکس دی بے دھیانا دی منگ دی دال آف دی پاکستان گورنمنٹ۔"

لیکن بعد میں آف دی پاکستان گورنمنٹ کی جگہ اوف دی ٹوبہ ٹیک سنگھ

گورنمنٹ نے لے لی اور اس نے دوسرے پاگلوں سے پوچھنا شروع کیا کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کہاں ہے۔ جہاں کا وہ رہنے والا ہے، لیکن کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ پاکستان میں ہے یا ہندوستان میں۔ جو بتانے کی کوشش کرتے تھے وہ خود اس الجھاؤ میں گرفتار ہو جاتے تھے کہ سیالکوٹ پہلے ہندوستا ن میں ہوتا تھا، پر اب سنا ہے کہ پاکستان میں ہے۔ کیا پتا ہے کہ لاہور جو اب پاکستان میں ہے، کل ہندوستان میں چلا جائے۔ یا سارا ہندوستان ہی پاکستان بن جائے اور یہ بھی کون سینے پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں کسی دن سرے سے غائب ہی ہو جائیں۔

اس سکھ پاگل کے کیس چھدرے ہو کر بہت مختصر رہ گئے تھے چونکہ بہت کم نہاتا تھا اس لیے داڑھی اور سر کے بال آپس میں جم گئے تھے۔ جس کے باعث اس کی شکل بڑی بھیانک ہو گئی تھی۔ مگر آدمی بے ضرر تھا۔ پندرہ برسوں میں اس نے کبھی کسی سے جھگڑا فساد نہیں کیا تھا۔ پاگل خانے کے جو پرانے ملازم تھے، وہ اس کے متعلق اتنا جانتے تھے کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں اس کی کئی زمینیں تھیں۔ اچھا کھاتا پیتا زمیندار تھا کہ اچانک دماغ الٹ گیا۔ اس کے رشتے دار لوہے کی موٹی موٹی زنجیروں میں اسے باندھ کر لائے اور پاگل خانے داخل کرا گئے۔

مہینے میں ایک بار ملاقات کے لیے یہ لوگ آتے تھے اور اس کی خیر خیریت دریافت کر کے چلے جاتے تھے۔ ایک مدّت تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

پر جب پاکستان، ہندوستان کی گڑبڑ شروع ہوئی، ان کا آنا بند ہو گیا۔

اس کا نام بشن سنگھ تھا مگر سب اسے ٹوبہ ٹیک سنگھ کہتے تھے۔ اس کو یہ قطعاً معلوم نہیں تھا کہ دن کو نسا ہے، مہینہ کونسا ہے یا کتنے سال بیت چکے ہیں۔ لیکن ہر مہینہ جب اس کے عزیز و اقارب اس سے ملنے کے لیے آتے تھے، تو اسے اپنے آپ پتا چل جاتا تھا۔ چنانچہ وہ دفعدار سے کہتا کہ اس کی ملاقات آ رہی ہے اس دن وہ اچھی طرح نہاتا۔ بدن پر خوب صابن گھستا اور سر میں تیل لگا کر کنگھا کرتا، اپنے کپڑے جو وہ کبھی استعمال نہیں کرتا تھا، نکلوا کے پہنتا اور یوں سج بن کے ملنے والوں کے پاس جاتا، وہ اس سے کچھ پوچھتے تو وہ خاموش رہتا یا کبھی کبھار ''اوپڑدی گڑ گڑدی اینکس دی بے دھیانا دی منگ دی دال آف دی لالٹین۔'' کہہ دیتا۔

اس کی ایک لڑکی تھی جو ہر مہینے ایک انگلی بڑھتی بڑھتی پندرہ برسوں میں جوان ہوگئی تھی۔ بشن سنگھ اس کو پہچانتا ہی نہیں تھا۔ وہ بچی تھی جب بھی اپنے باپ کو دیکھ کر روتی تھی، جوان ہوئی تب بھی اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے۔

پاکستان اور ہندوستان کا قصّہ شروع ہوا تو اس نے دوسرے پاگلوں سے پوچھنا شروع کیا کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کہاں ہے۔ جب اطمینان بخش جواب نہ ملا تو اس کی کرید دن بدن بڑھتی گئی۔ اب ملاقات بھی نہیں آتی تھی۔ پہلے تو اسے اپنے آپ پتا چل جاتا تھا کہ ملنے والے آ رہے ہیں، پر اب جیسے اس

کے دل کی آواز بھی بند ہو گئی تھی جو اسے ان کی آمد کی خبر دے دیا کرتی تھی۔

اس کی بڑی خواہش تھی کہ وہ لوگ آئیں جو اس سے ہمدردی کا اظہار کرتے تھے۔اور اس کے لیے پھل، مٹھائیاں اور کپڑے لاتے تھے وہ اگر ان سے پوچھتا کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کہاں ہے تو وہ یقیناً اسے بتا دیتے کہ پاکستان میں ہے یا ہندوستان میں۔ کیوں کہ اس کا خیال تھا کہ وہ ٹوبہ ٹیک سنگھ سے ہی آتے ہیں جہاں اس کی زمینیں ہیں۔

پاگل خانے میں ایک پاگل ایسا بھی تھا جو خود کو خدا کہتا تھا۔ اس سے جب ایک روز بشن سنگھ نے پوچھا کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ پاکستان میں ہے یا ہندوستان میں تو اس نے حسب عادت قہقہہ لگایا اور کہا ''وہ پاکستان میں ہے نہ ہندوستان میں اس لیے کہ ہم نے ابھی تک حکم نہیں دیا۔''

بشن سنگھ نے اس خدا سے کئی مرتبہ بڑی منت سماجت سے کہا کہ وہ حکم دے دے تاکہ جھنجھٹ ختم ہو مگر وہ بہت مصروف تھا۔ اس لیے کہ اسے اور بے شمار حکم دینے تھے۔ ایک دن وہ تنگ آ کر اس پر برس پڑا۔ ''اوپڑ دی گڑ گڑ دی انیکس دی بے دھیانا دی منگ دی دال آف واہے گوروجی خالصہ اینڈ واہے گوروجی واکی فتح ۔۔۔۔۔۔ جو بولے سونہال ست سری اکال۔''

اس کا شاید یہ مطلب تھا کہ تم مسلمانوں کے خدا ہو............. سکھوں کے خدا ہوتے تو ضرور میری سنتے۔

تبادلہ سے کچھ دن پہلے ٹوبہ ٹیک سنگھ کا ایک مسلمان جو اس کا

دوست تھا، ملاقات کے لیے آیا۔ پہلے وہ کبھی نہیں آیا تھا۔جب بشن سنگھ نے اسے دیکھا تو ایک طرف ہٹ گیا اور واپس جانے لگا مگر سپاہیوں نے اسے روکا۔ یہ تم سے ملنے آیا ہے............تمہارا دوست فضل دین ہے۔"

بشن سنگھ نے فضل دین کو ایک نظر دیکھا اور کچھ بڑبڑانے لگا۔ فضل دین نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "میں بہت دنوں سے سوچ رہا تھا کہ تم سے ملوں لیکن فرصت ہی نہ ملی............تمہارے سب آدمی خیریت سے ہندوستان چلے گئے تھے............ مجھ سے جتنی مدد ہوسکی ، میں نے کی............تمہاری بیٹی روپ کور............"

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا............بشن سنگھ کچھ یاد کرنے لگا۔ "بیٹی روپ کور"

فضل دین نے رک رک کر کہا۔ "ہاں............ وہ............ وہ بھی ٹھیک ٹھاک ہے............ ان کے ساتھ ہی چلی گئی تھی۔"

بشن سنگھ خاموش رہا۔فضل دین نے کہنا شروع کیا۔" انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہاری خیر خیریت پوچھتا رہوں............ اب میں نے سنا ہے کہ تم ہندوستان جا رہے ہو............ بھائی بلیر سنگھ اور بھائی ودھاوا سنگھ سے میرا سلام کہنا............اور بہن امرت کور سے بھی .... بھائی بلیر سنگھ سے کہنا۔فضل دین راضی خوش ہے............ دو بھوری بھینسیں جو وہ چھوڑ گئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کٹا دیا ہے............دوسری کے کٹی ہوئی

تھی، پر وہ چھ دن کی ہو کے مر گئی............ اور میرے .... لائق جو خدمت ہو ، کہنا میں ہر وقت تیار ہوں............ اور یہ تمہارے لیے تھوڑے سے مرونڈے لایا ہوں۔"

بشن سنگھ نے مرونڈوں کی پوٹلی لے کر پاس کھڑے سپاہی کے حوالے کر دی اور فضل دین سے پوچھا۔ "ٹوبہ ٹیک سنگھ کہاں ہے۔"

فضل دین نے قدرے حیرت سے کہا............ "کہاں ہے..... وہیں ہے جہاں تھا۔" بشن سنگھ نے پھر پوچھا ۔ "پاکستان میں یا ہندوستان میں ؟" "ہندوستان میں...... نہیں نہیں پاکستان میں۔" فضل دین بوکھلا سا گیا۔ بشن سنگھ بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ "اوپڑ دی گڑ گڑ دی انیکس دی بے دھیانا دی منگ دی وال آف دی پاکستان اینڈ ہندوستان آف دی در فٹے منہ!"

تبادلے کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر آنے والے پاگلوں کی فہرستیں پہنچ گئی تھیں اور تبادلے کا بھی دن مقرر ہو چکا تھا۔

سخت سردیاں تھیں جب لاہور کے پاگل خانے سے ہندو سکھ پاگلوں سے بھری ہوئی لاریاں پولیس کے محافظ دستے کے ساتھ روانہ ہوئیں۔ متعلقہ افسر بھی ہمراہ تھے۔ واہگہ کے بارڈر پر طرفین کے سپرنٹنڈنٹ ایک دوسرے سے ملے اور ابتدائی کاروائی ختم ہونے کے بعد تبادلہ شروع ہو گیا، جو رات بھر جاری رہا۔

پاگلوں کو لاریوں سے نکالنا اور ان کو دوسرے افسروں کے حوالے کرنا بڑا کٹھن کام تھا۔ بعض تو باہر نکلتے ہی نہیں تھے، جو نکلنے پر رضامند ہوتے تھے، ان کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا، کیوں کہ ادھر ادھر بھاگ اٹھتے تھے، جو ننگے تھے ان کو کپڑے پہنائے جاتے تو وہ پھاڑ کے اپنے تن سے جدا کر دیتے۔ کوئی گالیاں بک رہا ہے، کوئی گا رہاہے۔ آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہیں، رو رہے ہیں، بلک رہے ہیں۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی............ پاگل عورتوں کا شوروغوغا الگ تھا اور سردی اتنی کڑاکے کی تھی کہ دانت سے دانت بج رہے تھے۔

پاگلوں کی اکثریت اس تبادلے کے حق میں نہیں تھی۔ اس لیے کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ انہیں اپنی جگہ سے اکھاڑ کر کہاں پھینکا جارہا ہے۔ وہ چند جو کچھ سوچ سمجھ سکتے تھے۔ ''پاکستان زندہ باد'' اور ''پاکستان مردہ باد'' کے نعرے لگا رہے تھے۔ دو تین مرتبہ فساد ہوتے ہوتے بچا، کیوں کہ بعض مسلمانوں اور سکھوں کو یہ نعرے سن کر طیش آ گیا تھا۔

جب بشن سنگھ کی باری آئی اور واہگہ کے اس پار متعلقہ افسر اس کا نام رجسٹر میں درج کرنے لگا تو اس نے پوچھا ۔ ''ٹوبہ ٹیک سنگھ کہاں ہے............ پاکستان میں یا ہندوستان میں؟''

متعلقہ افسر ہنسا۔ 'پاکستان میں'

یہ سن کر بشن سنگھ اچھل کر ایک طرف ہٹا اور دوڑ کر اپنے

باقی ماندہ ساتھیوں کے پاس پہنچ گیا۔ پاکستانی سپاہیوں نے اسے پکڑ لیا اور دوسری طرف لے جانے لگے، مگر اس نے چلنے سے انکار کر دیا۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ یہاں ہے"............اور زور زور سے چلاّنے لگا۔"اوپڑدی گڑ گڑ دی انیکس دی بے دھیانادی منگ دی دال آف ٹوبہ ٹیک سنگھ اینڈ پاکستان۔"

اسے بہت سمجھایا گیا کہ دیکھو اب ٹوبہ ٹیک سنگھ ہندوستان میں چلا گیا ہے............ اگر نہیں گیا تو اسے فوراً وہاں بھیج دیا جائے گا۔ مگر وہ نہ مانا جب اس کو زبردستی دوسری طرف لے جانے کی کوشش کی گئی، تو وہ درمیاں میں ایک جگہ اس انداز میں اپنی سوجی ہوئی ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا جیسے اب اسے کوئی طاقت وہاں سے نہیں ہلا سکے گی۔

آدمی چونکہ بے ضرر تھا اس لیے اس سے مزید زبردستی نہ کی گئی، اس کو وہیں کھڑا رہنے دیا گیا اور تبادلے کا باقی کام ہوتا رہا۔

سورج نکلنے سے پہلے ساکت و صامت بشن سنگھ کے حلق سے ایک فلک شگاف چیخ نکلی............ ادھر ادھر سے کئی افسر دوڑے آئے اور دیکھا کہ وہ آدمی جو پندرہ برس تک دن رات اپنی ٹانگوں پر کھڑا رہا تھا، اوندھے منہ لیٹا ہے ادھر خار دار تاروں کے پیچھے ہندوستان تھا............ادھر ویسے ہی تاروں کے پیچھے پاکستان۔ درمیاں میں زمین کے اس ٹکڑے پر جس کا کوئی نام نہیں تھا۔ ، ٹوبہ ٹیک سنگھ پڑا تھا۔

افسانہ

افسانہ بیسویں صدی کے اوائل کی پیداوار ہے۔ تیزی سے بدلتے ہوئے زمانے کا ساتھ دینے والوں کے لیے مختصر افسانہ خاص کشش رکھتا ہے۔ افسانہ اس کہانی کو کہتے ہیں جس میں زندگی کی سچائیوں کا بیان ہوتا ہے۔ نقادوں نے افسانے کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ ایک نقاد نے کہا ہے کہ افسانہ ایسی نثری تخلیق ہے جو ایک ہی نشست میں پڑھی جا سکے۔ ایک اور نقاد کا قول ہے کہ افسانے میں بنیادی چیز وحدتِ تاثر ہے۔ نقادوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ افسانوں کے کردار ہماری زندگی اور تجربوں سے مطابقت رکھتے ہوں۔

افسانہ اختصار کے ساتھ زندگی کے کسی اہم گوشے کو ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ مختصر ہونے کی وجہ سے واقعات میں جھول ہونے کا اندیشہ بھی کم ہوتا ہے۔ افسانہ نگار کا مشاہدہ اور انسانی نفسیات کا مطالعہ گہرا ہوتا ہے۔

اردو کے اہم افسانہ نگاروں میں پریم چند، علی عباس حسینی، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر، غلام عباس، قرۃالعین حیدر اور انتظار حسین کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ ان کے بعد نئے افسانہ نگاروں کی ایک بڑی تعداد بھی ہمارے سامنے آ چکی ہے۔ اردو کی ادبی اصناف میں افسانے کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ بہت سے اردو افسانے دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔

سعادت حسن منٹو (۱۹۱۲۔۱۹۵۵)

سعادت حسن منٹو ضلع لدھیانہ پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ چلے گئے۔ ایک زمانے میں ترقی پسند تحریک سے منسلک رہے۔ پھر وہ اس سے کنارہ کش ہوگئے۔ ابتدا میں اخبار ''مساوات'' سے وابستہ رہے پھر ہفتہ روزہ 'مصوّر' کی ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔آل انڈیا ریڈیو سے بھی جڑے رہے۔ انہوں نے کئی فلموں کے لیے کہانیوں کے ساتھ مکالمے اور اسکرین پلے بھی لکھے۔ ملک کی آزادی کے بعد ۱۹۴۸ میں مستقل طور پر لاہور چلے آئے۔

''تماشا'' منٹو کا پہلا افسانہ ہے جو انہوں نے جلیاں والا باغ کے سانحے سے متاثر ہو کر لکھا تھا۔ منٹو کے افسانوں کی سب سے بڑی خوبی حقیقت نگاری ہے۔ منٹو نے سیاسی مسائل کے موضوعات پر بھی قلم اٹھایا ہے۔افسانوں کے علاوہ منٹو نے ڈرامے، خاکے اور ادبی مضامین بھی تحریر کیے ہیں۔ شکاری عورتیں ، ٹھنڈا گوشت، سڑک کے کنارے، خالی بوتلیں اور خالی ڈبے وغیرہ ان کے مشہور افسانوی مجموعے ہیں۔

تعداد (واحد اور جمع)

بچّو! اس عبارت پر غور کیجیے

'' بٹوارے کے دو تین سال بعد پاکستان اور ہندوستان کی حکومتوں کو خیال آیا کہ اخلاقی قیدیوں کی طرح پاگلوں کا تبادلہ بھی ہونا چاہیے۔ یعنی جو مسلمان پاگل ہندوستان کے پاگل خانوں میں ہیں انہیں پاکستان پہنچا دیا جائے اور جو ہندو اور سکھ پاکستان کے پاگل خانوں میں ہیں انہیں ہندوستان کے حوالہ کر دیا جائے۔''

اس عبارت میں سال، پاکستان، ہندوستان وغیرہ چند ایسے اسماء ہیں جو ایک عدد اسم کے معنی دینے والے ہیں۔ جب کہ حکومتوں، قیدیوں، پاگلوں وغیرہ چند ایسے اسماء ہیں جو ایک سے زائد اسم کا مفہوم دینے والے ہیں۔ اگر ایک اسم ہو تو 'واحد' اور ایک سے زائد ہوں تو 'جمع' کہتے ہیں۔

اسماء کو جملوں میں استعمال کرنے کے لیے ان کی تعداد (واحد اور جمع) کی پہچان ضروری ہے۔

سرگرمیاں

۱) ''اخلاقی قیدیوں کی طرح پاگلوں کا تبادلہ بھی ہونا چاہیے'' یہ تقسیمِ ہند کے دوران اخبار میں آئی ہوئی سرخی ہے ۔اس کی روشنی میں ایک اخباری رپورٹ ذیل کے اشاروں کی مدد سے تیار کیجیے۔

اشارے: تقسیمِ ہند، پاکستان، پاگلوں کا تبادلہ، سرکاری حکومت، مقررہ وقت

۲) ایک پاگل نے تقسیم کے چکر میں گرفتار ہوکر اور زیادہ پاگل ہو گیا اور درخت کی ٹہنے پر بیٹھ کر مسلسل تقریر کرنے لگا۔ اس نے اپنی تقریر میں کیا کیا بتایا ہوگا؟ ایک تقریر تیار کرکے پیش کیجیے۔

۳) ٹوبہ ٹیک سنگھ میں بشن سنگھ کا کردار تقسیم ہند کے شہیدوں کی ایک زندہ تصویر ہے۔ بشن سنگھ کے کردار کی خصوصیت اور اہمیت کا تعین کرتے ہوئے ایک نوٹ تیار کیجیے۔

۴) آپ کے اسکول کے لٹری کلب(Literary Club) کے تحت مختصر افسانوں کی اہمیت پر ایک نشست ہونے والی ہے۔ اس میں افسانہ ٹوبہ ٹیک سنگھ پر بات کرنے کا موقع اگر آپ کو ملا تو اس افسانے کی ادبی اور تاریخی اہمیت پر کیا کیا بتائیں گے؟

۵) ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق آج کل ہمارے سماج میں نفسیاتی بیماریاں بڑھ رہی ہیں۔ یہ ایک صحت مند سماج کی علامت نہیں ہے۔ اس صورتِ حال پر آپ اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

۶) دہشت گردی، تعصّب، فرقہ وارانہ فسادات وغیرہ اتحاد اور قومی یکجہتی کے لیے بہت بڑی دھمکیاں ہیں۔ یومِ آزادی کے جلسے میں شرکت کرتے ہوئے آپ اس پر کیا کیا نکات پیش کریں گے؟

۷) تقسیم ہند اصل میں صرف دو ملکوں کی تقسیم ہی نہیں بلکہ دو دلوں کی جدائی ہے ۔ اس موضوع پر اردو زبان میں کئی ادبی تخلیقات شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک پر مختصر نوٹ لکھیے۔

۸) نیچے دیے گئے الفاظ پر غور کیجیے! ان میں سے واحد اور جمع الگ کر کے جملوں میں استعمال کیجیے۔

خیال، تیاریاں، خبر، پاگل، کپڑے، بیٹی ، مٹھائیاں، پھول

سبق - ۵

تاج محل

تاج ترے لیے اک مظہرِ الفت ہی سہی
تجھ کو اس وادیِ رنگین سے عقیدت ہی سہی
میری محبوب کہیں اور ملا کر مجھ سے !
بزمِ شاہی میں غریبوں کا گزر کیا معنیٰ ؟
ثبت جس راہ میں ہوں سطوتِ شاہی کے نشاں
اس پہ الفت بھری روحوں کا سفر کیا معنیٰ ؟

ان گنت لوگوں نے دنیا میں محبت کی ہے
کون کہتا ہے کہ صادق نہ تھے جذبے ان کے
لیکن ان کے لیے تشہیر کا سامان نہیں
کیوں کہ وہ لوگ بھی اپنی ہی طرح مفلس تھے

میری محبوب ! انھیں بھی تو محبت ہوگی
جن کی صنّاعی نے بخشی ہے اسے شکلِ جمیل
ان کے پیاروں کے مقابر رہے بے نام و نمود
آج تک ان پہ جلائی نہ کسی نے قندیل

یہ چمن زار ' یہ جمنا کا کنارا ' یہ محل
یہ منقّش در و دیوار ' یہ محراب ' یہ طاق
اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق
میری محبوب! کہیں اور ملا کر مجھ سے !

ساحرؔ لدھیانوی

ساحؔر لدھیانوی (۱۹۲۱ ـ ۱۹۸۰)

ساحؔر کا اصلی نام عبد الحیؔ اور ساحؔر تخلّص ہے۔ وہ پنجاب کے لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم مکمّل کرنے کے بعد وہ لاہور میں مقیم ہوگئے۔ ۱۹۴۹ء کو دہلی آئے۔ چند مہینوں کے بعد وہ ممبئی چلے گئے۔ وہ اردو کے مشہور شاعر ہیں۔ وہ ایک طویل عرصہ تک فلموں سے منسلک رہے۔ انھوں نے بے شمار فلموں کے لیے گیت بھی لکھے۔ ان کی فلمی خدمات کے اعتراف میں انھیں ۱۹۶۴ء اور ۱۹۷۷ء میں فلم فیئر ایوارڈ سے نوازا گیا۔ ۱۹۷۱ء کو انھیں پدم شری کا خطاب دیا گیا۔ ۲۰۱۳ء کو ان کے یومِ پیدائش پر صدرِ جمہوریہ جناب پرنب مکھرجی نے ان کا ڈاک ٹکٹ نکالا۔ ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو ان کا انتقال ممبئی میں ہوا۔ تلخیاں' گاتا جائے بنجارہ' ''آؤ کہ کوئی خواب بنیں'' وغیرہ ان کی تصانیف ہیں۔

سرگرمیاں

۱ تاج محل پر ساحؔر لدھیانوی کا نظریہ کچھ یوں ہے ؎

یہ چمن زار' یہ جمنا کا کنارا' یہ محل
یہ منقّش در و دیوار' یہ محراب' یہ طاق
اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق

لیکن حفیظؔ بنارسی کا خیال یہ ہے ؎

چشمِ عبرت سے کہ حسرت کی نظر سے دیکھے
کیوں تجھے کوئی حقارت کی نظر سے دیکھے
چاہیے یہ تجھے محبت کی نظر سے دیکھے
یہ منقّش در و دیوار یہ محراب یہ طاق
کیوں غریبوں کی محبت کا اڑائیں گے مذاق

آپ کس خیال سے متفق ہیں؟ کیوں؟ بحث کر کے اہم نکات پیش کریں۔

۲ تاج محل خود اپنی کہانی کہنا چاہتا ہے۔ تاج محل کی آپ بیتی تیار کیجیے۔

۳ ان گنت لوگوں نے دنیا میں محبت کی ہے
کون کہتا ہے کہ صادق نہ تھے جذبے ان کے
لیکن ان کے لیے تشہیر کا سامان نہیں
کیوں کہ وہ لوگ بھی اپنی ہی طرح مفلس تھے

ان اشعار کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

۴ تاج محل پر لکھے گئے چند اور اشعار جمع کیجیے۔

۵ اردو نظم کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے ایک نوٹ لکھیے۔

سبق - ٦

آزادی کا متوالا

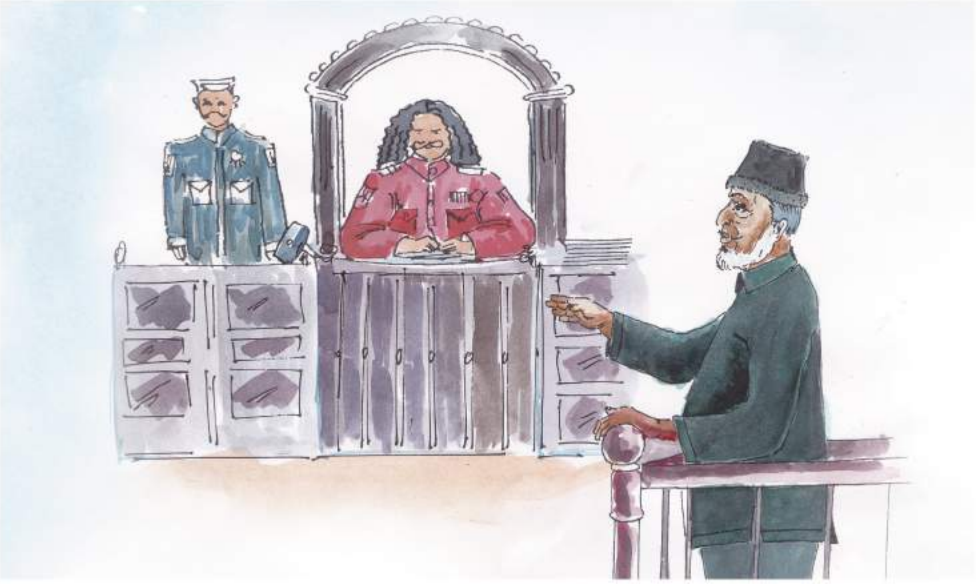

(اسٹیج پر عدالت جمی ہوئی ہے۔ مجسٹریٹ کرسی پر بیٹھا ہے۔ سامنے مسٹر گولڈی، ابواللیث انسپکٹر اور محمد اسمٰعیل ہیں۔ عدالت کا چپراسی گلا پھاڑ کر چلّا تا ہے)

چپراسی : ملازم ابوالکلام حاضر ہے۔

(مولانا آزاد کو دو سپاہی اندر لے کر آتے ہیں)

انسپکٹر : کارروائی شروع ہونے سے پہلے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مولانا ابوالکلام انگریزی نہیں سمجھتے ہیں۔

مجسٹریٹ : (مولانا سے) کیا یہ سچ ہے کہ آپ انگریزی نہیں سمجھتے ہیں۔

مولانا آزاد : باتیں اس کی سمجھی جاتی ہیں جو سمجھانا چاہتا ہے، میں کچھ نہیں سمجھتا اور مجھے کچھ سمجھانے کی ضرورت بھی نہیں ۔

مجسٹریٹ : (سرکاری وکیل سے) آپ مقدمہ پیش کیجیے۔

سرکاری وکیل : ملزم کے خلاف موجودہ مقدمہ زیر دفعہ ۱۲۴ (الف) تعزیراتِ ہند کے تحت دائر کیا گیا ہے۔ یہ مولانا کی دو تقریروں کے بنا پر جو مرزاپور پارک کلکتے میں کی گئی تھیں۔ پہلے جلسے کا مقصد تین اشخاص کی گرفتاری کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا تھا۔ دوسری تقریر میں مولانا نے خلافت کے بارے میں عوام کو ان کا فرض یاد دلایا تھا۔ یہ دونوں تقریریں اردو شارٹ ہینڈ میں سرکاری رپورٹر نے لکھی ہیں۔ میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس مقدمے کے لیے گورنمنٹ نے منظوری دے دی ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے میں ڈپٹی کمیشنر گولڈی کو پیش کرتا ہوں۔ مسٹر گولڈی کو حاضر کیا جائے۔

چپراسی : (اعلان کرتا ہے) مسٹر گولڈی حاضر ہے

(گولڈی حاضر ہو کر آداب بجا لاتا ہے)

سرکاری وکیل : کیا آپ کو حکومتِ بنگال نے اس مقدمے کو پیش کرنے کا اختیار دیا ہے؟

گولڈی : جی ہاں۔

سرکاری وکیل : عام طور پر جب آپ کو ایسے جلسوں کی خبر ملتی ہے تو آپ کیا کرتے ہیں؟

گولڈی : میں اپنی رپورٹ وہاں بھیجتا ہوں۔

سرکاری وکیل : اس جلسے میں آپ کا رپورٹر کون تھا، حاضر کیا جائے۔

(چپراسی بڑھ کر مسٹر گولڈی سے نام پوچھتا ہے)

چپراسی : (اعلان کرتے ہوئے)ابواللیث محمد حاضر ہے۔

(حاضر ہو کر آداب بجا لاتا ہے)

سرکاری وکیل : کیا نام ہے تمہارا؟

ابواللیث : ابو اللیث محمد

سرکاری وکیل : تم اپناتعارف کرا سکتے ہو۔

ابو اللیث : میں گورنمنٹ آف بنگال کا شارٹ ہینڈ رپورٹر ہوں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جلسے کی کارروائی میں نے پوری ایمانداری سے لکھنے کی کوشش کی ہے۔

مجسٹریٹ : ٹھیک ہے کوئی اور گواہ

سرکاری وکیل : انسپکٹر اسپشیل برانچ محمد اسمعیل وہاں حاضر ڈیوٹی پر تھے۔ ان کو بلایا جائے۔

چپراسی : (اعلان کرتے ہوئے) انسپکٹر محمد حاضر ہے۔

(وہ حاضر ہوکر آداب بجا لاتا ہے)

سرکاری وکیل : کیا نام ہے تمہارا؟ تم اپنا بیان دے سکتے ہو

محمد اسمعیل : مجھے محمد اسمعیل پکارتے ہیں۔ کلکتہ یونی ورسٹی سے
بی۔ایس۔سی کیا ہوں۔ اردو میری زبان ہے۔
اچھا اردو بولتا ہوں۔

سرکاری وکیل : جلسہ کس غرض سے ہوا تھا۔

محمد اسمٰعیل : تحریکِ خلافت کے لیڈر کو گرفتار کرنے پر۔

سرکاری وکیل : سب سے خطرناک تقریر کس کی تھی؟

محمد اسمٰعیل : ملزم کا تقریر بہت خطرناک تھا، لوگ نعرے بول رہے تھے۔

سرکای وکیل : جلسے میں کتنے لوگ تھے؟

محمد اسمٰعیل : بارہ ہزار

سرکاری وکیل : اپنے نوٹ غور سے دیکھو۔

محمد اسمٰعیل : (کاغذات دیکھتا ہے) معاف کیجیے گا۔ دس ہزار آدمی تھے۔

مجسٹریٹ : ٹھیک ہے(اشارے سے بیٹھنے کو کہتا ہے) مولانا آپ کچھ
کہنا چاہتے ہیں، کیا ؟
آپ اپنا بیان لائے ہیں۔

مولانا آزاد : لایا ہوں۔ اس یقین کے ساتھ کہ آپ اس کو سمجھ نہ سکیں گے۔
لیکن سننے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(مولانا جیب سے کاغذات نکالتے ہیں۔ ان کے ہر انداز اور ہر حرکت میں ایک جلال اور ایک وقار ہے)

میرا ارادہ نہ تھا کہ کوئی تقریری یا تحریری بیان پیش کروں یہ ایسی جگہ ہے جہاں ہمارے لیے نہ تو کسی طرح کی امّید ہے، نہ طلب ہے نہ شکایت ہے۔ ہم گورنمنٹ کے انصاف اور حق پسندی سے مایوس ہو چکے ہیں۔ عدالت کی نا انصافیوں کی فہرست بڑی ہی طولانی ہے۔ تاریخ آج تک اس کے ماتم سے فارغ نہ ہوسکی۔

مجسٹریٹ : (میز ٹھوک کر)

آپ اپنے جرم کا اقرار کر رہے ہیں؟

مولانا آزاد : میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے حکومت وقت کے خلاف اعلان جنگ کیا ہے۔ میں مسلمانانِ ہند میں

پہلا شخص ہوں جس نے ۱۹۱۷ء میں اپنی قوم کو اس جرم کی دعوت دی اور تین سال کے اندر اس غلامانہ روش سے ان کا رخ پھیر دیا۔

سرکاری وکیل : مسٹر مجسٹریٹ، ملزم اپنے جن کارناموں کا ذکر کیا وہ قانون کی نظر میں جرائم ہیں۔

مولانا آزاد : یہ تو اپنی اپنی نظر کی بات ہے لیکن استغاثے نے میری تقریروں کی جو نقل پیش کی وہ نہایت ناقص، غلط اور بعض مقامات پر بے معنی جملوں کا مجموعہ ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ میری تقریروں کے کونسے جملے قابلِ اعتراض ہیں۔

سرکاری وکیل : کون سے جملے قابلِ اعتراض نہیں ہیں۔ اگر آپ نے یہ پوچھا ہوتا تو یہ جواب آسان ہو جاتا۔ اور

تم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ آج سوچ لے کہ کیا وہ اس بات کے لیے راضی ہے کہ جس جابرانہ قوت نے انہیں گرفتار کیا ہے وہ اس برِّ اعظم میں اسی طرح قائم رہے جس طرح ان کی گرفتاری کے وقت تھی۔''

مولانا آزاد : (خفا ہو کر)

میں اس گورنمنٹ کی برائیوں پر یقین رکھتا ہوں تو یقیناً یہ دعا نہیں مانگ سکتا کہ گورنمنٹ درست بھی نہ ہو اور اس کی عمر بھی دراز ہو۔

سرکاری وکیل : کیا یہ سچ نہیں ہے کہ سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے آپ اسلامی شریعت کا ناجائز استعمال کر رہے ہیں؟

مولانا آزاد : تم مجھے اسلامی شریعت کی تعلیم دینے آئے ہو!

میں مسلمان ہوں اور مسلمان ایسے اقتدار کو جائز تسلیم نہیں کرتا ایک سچا مسلمان انگریزی راج کو کیسے برداشت کر سکتا ہے؟

سرکاری وکیل : میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کا کوئی مذہب رائج الوقت قوانین کو توڑنے کا مشورہ نہیں دیتا۔

مولانا آزاد : میرے بھائی! قانون کیا چیز ہے؟ تم سمجھتے بھی ہو۔ تمہاری مرضی کا نام قانون نہیں ہے۔ آزای کی ر اہ میں قربانی و جاں فروشی مسلمانوں کا قدیم ورثہ ہے۔ مسلمانوں نے اب آخری فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے ہندو، سکھ، عیسائی اور پارسی بھائیوں کے ساتھ مل کر اپنے ملک کو غلامی سے نجات دلائیں گے۔ ان تقریروں سے اقرار کے بعد میں سی ۔آئی۔ڈی کے رپورٹر ابواللیث سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔

(ابواللیث کھڑا ہو جاتا ہے)

مولانا آزاد : کیا تم نے مشہور فرانسیسی ادیب وکٹر ہیوگو کا نام بھی سنا ہے؟

ابواللّیث : جی نہیں۔

مولانا آزاد : تم نے اسے ایک بار پھر قتل کر دیا ہے۔ میں نے اپنی تقریر میں اس کا ایک قول نقل کیا تھا، تم نے اس طرح اصلاح دی ہے کہ، آزادی کا بیج کبھی بارآور نہیں ہوسکتا جب تک کہ دھرم کے پانی سے اس کی آبیاری نہ ہو۔ یہ دھرم کا پانی کیا چیز ہوتی ہے ابواللّیث ، آزادی کا بیج کبھی بار آور نہیں ہو سکتا جب تک ظلم کے پانی سے، سمجھے ابواللیث، ظلم کے پانی سے اس کی آبیاری نہ ہوتو لوگوں کی بدقسمتی یہ ہے کہ

تم نہ تو دھرم سے واقف ہو اور نہ ظلم سے۔

ابواللّیث : جلدی میں رہ گیا ہوگا۔

مولانا آزاد : ایک جگہ اور بھی تم جلدی میں تھے۔ تم لکھتے ہو انہوں نے جیل جانے کی مصیبت کو برباد کیا ہے۔ مہمل بات ہے جملہ غالبًا اس طرح ہوگا ۔انہوں نے جیل خانہ کی مصیبت کو برداشت کیا ہے اور آپ مجسٹریٹ صاحب زیادہ سے زیادہ سزا جو آپ کے اختیار میں ہے بلا تامل مجھے دیجیے۔ مجھے شکایت یا رنج کا کوئی احساس نہ ہوگا۔ اب میں زیادہ وقت کورٹ کا نہ لوں گا۔ یہ تاریخ کا دلچسپ اور عبرت انگیز باب ہے جس کی ترتیب میں ہم دونوں یکساں طور پر مشغول ہیں۔ ہمارے حصّے میں یہ مجرموں کا کٹہرا آیا ہے۔ تمہارے حصّے میں وہ

مجسٹریٹ کی کرسی۔

مجسٹریٹ : (خفا ہوکر) مولانا ! عدالت اس کرسی کی توہین برداشت نہیں کرسکتی!

مولانا آزاد : میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کام کے لیے وہ کرسی بھی اتنی ضروری چیز ہے جس قدر یہ کٹہرا۔ پھر مجسٹریٹ وہ وقت آئے گا جب ہم جگہوں کا تبادلہ کریں گے۔

(بہ آواز بلند)

تم یہاں اس کٹہرے میں ہوگے اور ہم وہاں اس کرسی پر (سرکاری وکیل کی طرف اشارہ کر کے)اور تمہارے چہروں پر تمہارے اعمال کی پھٹکار ہوگی۔

(مولانا کی آواز جوں ہی اونچی ہوتی ہے مجسٹریٹ ہتوڑی

سے میز کو ٹھوکتا جاتا اور چلّا تا ہے)

مجسٹریٹ : مولانا.... مولانا....، آپ پچھتائیں گے۔ عدالت برخاست کی جاتی ہے

——— (پردہ گرتا ہے) ———

ڈراما

ڈراما ایک ایسی صنف ہے جس میں کرداروں اور مناظر کے ذریعے کوئی قصّہ یا کہانی پیش کی جاتی ہے۔ ناول اور افسانے کے مقابلے میں ڈراما حقیقت سے قریب تر ہے۔ کیوں کہ اس میں زندگی کی مختلف حقیقتیں بیان ہوتی ہیں۔قومی و سیاسی مسائل بھی ڈراموں کا موضوع رہے ہیں۔ڈرامے میں کردار نگاری ، مکالمے اور اداکاری کو اہمیت دی جاتی ہے۔ یہ کسی واقعہ یا قصّے کی کڑیوں کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے ترتیب وار نقطۂ عروج تک پہنچانے کا فن ہے۔ اس میں ہر کردار اپنے مکالمے اور اداکاری کے ذریعے پہچانا جاتا ہے۔ ڈراما زبان کی لطافت، اشاریت، جذبات نگاری اور تاثیر کے اعتبار سے شاعری سے بہت قریب ہے ۔ در اصل ڈراما اسٹیج کا محتاج ہے۔

یک بابی ڈراما، نکّڑ ڈراما، نثری ڈراما وغیرہ ڈرامے کے اقسام ہیں۔ اردو میں ڈرامے کا آغاز واجد علی شاہ کے ڈراما رادھا کنھیا سے ہوتا ہے۔اس کے بعد امانت کا باقاعدہ عوامی ڈراما 'اندرسبھا' بہت مقبول ہوا۔ اس کے وسیلے سے ''پارسی تھیٹر'' کے ڈراموں میں رقص اور موسیقی کے عناصر در آئے۔ انیّسویں صدی کے آخر میں آغا حشر کاشمیری اور بیسویں صدی کے شروع میں امتیاز علی تاج، محمد مجیب، سید عباس حسین، پروفیسر محمد حسن وغیرہ کے ڈرامے مقبولِ عام و خاص ہوئے۔

اشارے

یہ ایک تاریخی ڈراما ہے۔ یہ تحریک خلافت کے دوران مولانا آزاد پر لگے ہوئے ایک الزام کے مقدّمہ کو موضوع بنا کر لکھا گیا ہے۔ یہاں مرزا پور پارک کلکتہ میں کی ہوئی دو تقریروں کے بناء پر دائر کیے گئے مقدّمہ کی عدالتی کاروائی کو ایک ڈرامے کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

احسان الحق

احسان الحق کا نام اردو ڈراما نگاروں میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے بہت سے ڈرامے اسٹیج کیے گئے ہیں۔ ریڈیو ڈرامے میں بھی انہوں نے اپنا کمال دکھایا ہے۔ ''نو ڈرامے'' ان کے ڈراموں کا مجموعہ ہے۔ ناول نگاری میں بھی انہوں نے اپنا جوہر دکھایا ہے۔ ''کالا شہر گورے لوگ'' ان کا ایک اہم ناول ہے۔ آپ نے جامعہ ملیہ میں تعلیم پائی۔ ایک عرصے تک بی بی سی لندن سے منسلک رہے۔

صفت

بچّو! ذیل کی عبارت پر غور کیجیے۔

''گزشتہ دو سال کے اندر کوئی صبح کوئی شام مجھ پر ایسی نہیں گزری جس میں میں نے گورنمنٹ کے مظالم کا اعلان نہ کیا ہو۔ میری عمر اٹھارہ برس کی تھی جب میں نے زندگی کا بہترین حصّہ یعنی عہدِ شباب صرف اسی مقصد کے عشق میں قربان کیا ہے۔ یہ تو میری زندگی کا دائمی مقصد ہے۔''

اس عبارت میں گذشتہ ، دو، اٹھارہ، بہترین، دائمی وغیرہ چند ایسے الفاظ ہیں جو اس کے بعد آنے والے اسماء جیسے شام، برس، حصّہ، مقصد وغیرہ کے اوصاف ظاہر کرتے ہیں۔ عموماً کسی اسم کے ساتھ اس کی خوبیاں یا خامیاں ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ کو صفت کہتے ہیں۔

صفت کی پانچ قسمیں ہیں۔

۱ صفت ذاتی : اچھا، برا، دلکش، خوبصورت، بڑا جیسے الفاظ ایک چیز، شخص یا جگہ کی ذاتی صفات بیان کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو صفت ذاتی کہتے ہیں۔

۲ صفت نسبتی : بنگالی، پٹھانی، جنگلی، دیہاتی جیسے الفاظ ایک اسم کے ساتھ اس کی ہونے والی نسبت ظاہر کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو صفت نسبتی کہتے ہیں۔

۳ صفت عددی : ایک، دو، تین، دگنا، تیسرا جیسے الفاظ اسماء کی گنتی بتاتے ہیں۔ اس لیے ان کو صفت عددی کہتے ہیں۔

۴ صفت مقداری: ایک کیلو، چار میٹر، چھ لیٹر جیسے اسماء الفاظ کے تول و ناپ بتاتے ہیں۔ اس لیے ان کو صفت مقداری کہتے ہیں۔

۵ صفت ضمیری : یہ، وہ ، تو، آپ وغیرہ ضمائر جملوں میں صفت کا کام انجام دیتی ہیں۔ اس لیے ان کو صفت ضمیری کہتے ہیں۔

سرگرمیاں

١۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصی خوبیوں مثلاً: جوان مردی، دلیری اور وطن پرستی پر مختصر نوٹ لکھیے۔

٢۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک مجاہد آزادی کی حیثیت سے تعارف کراتے ہوئے مختصر نوٹ لکھیے۔

٣۔ اس ڈرامے کی تاریخی و ادبی اہمیت پر ایک توصیفی نوٹ تیار کیجیے۔

٤۔ اس ڈرامے کو اسٹیج کرنے سے قبل اردو ڈرامہ نگاری کی اہمیت اور احسان الحق کی ادبی خدمات پر ایک اعلان نامہ تیار کیجیے۔

٥۔ اس ڈرامے کا پسندیدہ حصّہ چن لیجیے اور اسے اداکاری کے ذریعے پیش کیجیے۔

٦۔ پیش کردہ مائمنگ یا مزاحیہ منظر کی مناسبت سے ایک مکالمہ تیار کر کے اسے ایک ڈرامے کی شکل دیجیے۔

٧۔ عدالت اور مقدمہ سے تعلق رکھنے والے الفاظ جمع کیجیے اور اس کی فہرست بنائیے۔

٨۔ اقسام کے لحاظ سے چند صفات چن لیجیے اور ان کی گروہ بندی کیجیے۔

یونٹ: ۳

فن کی دنیا من کی دنیا

سبق - ۷

غزل

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی
میری وحشت تری شہرت ہی سہی

قطع کیجیے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی؟
اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے!
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں!
نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی

یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

مرزا غالبؔ

مرزا اسداللہ خان غالبؔ (۱۷۹۶ ـ ۱۸۶۹)

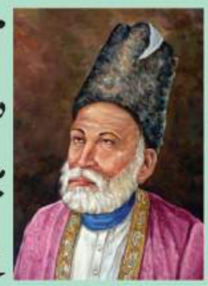

مرزا اسد اللہ خان غالبؔ آگرہ میں پیدا ہوئے۔ نجم الدّولہ، دبیر الملک اور نظامِ جنگ ان کے خطاب ہیں۔ پہلے اسدؔ بعد میں غالبؔ تخلص اختیار کیا۔ وہ فارسی اور اردو کے ماہر تھے۔غالبؔ کی شاعری پر تصوف کا گہرا اثر ہے۔ وہ جدّت پسند تھے۔ انھوں نے پرانے اور فرسودہ راستے سے ہٹ کر اردو غزل کو نئے قالب میں ڈھالا اور اس پر نیا رنگ و روغن چڑھایا۔ تخیل کی جولانی ، نازک خیالی، معنی آفرینی ، طنز، شوخی اورحسن بیان ان کے کلام کی اہم خصوصیات ہیں۔ ان کا ابتدائی کلام فارسی آمیز اور پر تکلف ہے۔ اُن کی مقبولیت اور شہرت کی بڑی وجہ ان کے کلام کا مجموعہ ''دیوانِ غالب'' ہے۔

سرگرمیاں

۱ عاشق اپنے محبوب سے کس طرح کا تعلق برقرار رکھنا چاہتا ہے؟ ذیل کے شعر کے پیش نظر اپنے خیالات واضح کیجیے۔

ع قطع کیجیے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں تو عداوت ہی سہی

۲ ''غزلوں میں وصال کی خوشی سے زیادہ جدائی کے غم کا بیان زیادہ موثر ہے'' اس قول سے آپ کہاں تک متفق ہیں۔ اس پر اپنے خیالات واضح کیجیے۔

۳ اس غزل کا مقطع چن کر اس کا مفہوم بیان کیجیے۔

۴ غالبؔ کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیجیے اور اس کے پیش نظر ان کی زندگی کا کوئی ایک واقعہ بیان کیجیے۔

۵ غالبؔ کی دوسری غزلوں سے چند ایسے اشعار چن لیجیے جو عشق کے موضوع پر ہوں۔

۶ 'یومِ اردو' کی کسی تقریب میں غالبؔ کے تعارف کرانے کی ذمّہ داری آپ کو دی گئی تو ان کی شعری خدمات پر کیا کیا نکات پیش کریں گے؟ ایک مختصر نوٹ تیار کیجیے۔

سبق - ۸

ہے جس کی زبان اردو کی طرح

تم مجھے یوں بُھلا نہ پاؤ گے
جب کبھی بھی سنوگے گیت میرے
سنگ سنگ تم بھی گنگناؤ گے

(پگلہ کہیں کا ۱۹۷۰ء)

اس خوب صورت گانے کو آواز کے جادوگر محمد رفیع صاحب نے گایا تھا۔ یہ گانا اتنا مقبول ہے کہ جو کوئی سنتا ہے سنگ سنگ گنگناتا ہی رہتا

ہے۔ اس گانے کے بول میں ایک عجیب سی کشش جادو ہے گویا رفیع صاحب یا خود اردو زبان ہم سے مخاطب ہے" جب تک میرا گیت سنتے رہوگے تم مجھے بھول نہیں پاؤگے۔" ۱۹۳۱ء میں فلم 'عالم آرا' کے اجراء (Release) کے ساتھ اردو نے ہی ہندوستانی سنیما کو بولنا سکھایا اور اردو ہندوستانی سنیما کی مادری زبان بن گئی۔

وطن کی تقسیم نے ہماری مشترکہ تہذیب اور اردو زبان کو شدید نقصان پہنچایا۔ اس وقت ہندوستانی سنیما اس کا سب سے بڑا سہارا بن کے سامنے آیا۔ ہندوستانی سنیما ترقی پسند تحریک اور تحریکِ آزادی دونوں سے متاثر ہوا۔ جنگِ آزادی میں جوش پیدا کرنے والا یہ گیت شہید بھگت سنگھ پر بنائی گئی فلموں میں جگہ پایا۔

سرفروشی کی تمنّا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

بسمل عظیم آبادی

بولی وُڈ (Bollywood) کے عظیم الشان فنکاروں کی کامیابی کی کہانیاں بھی اردو سے جڑی ہوئی ہیں۔ مشہور اداکار دلیپ کمار نے ایک بار لتا منگیشکر کا نغمہ سن کر ان سے کہا تھا "آپ کے تلفظ میں ذراسی گڑبڑ ہے۔ آپ اردو سیکھنے کی کوشش کیجیے۔" لتا منگیشکر نے اس کام کے لیے محبوب نامی ایک شخص کو اپنا استاد مقرر کیا۔ یہی معمولی مراٹھی لڑکی

آگے چل کر بلبلِ ہند بن گئی۔

کروڑوں روپے کی انٹرٹائنمنٹ انڈسٹری (Entertainment Industry) کی سب سے طاقتور زبان اردو بن چکی ہے۔ اردو کے کہانی کار ہمیشہ فلم انڈسٹری سے جڑے رہے ہیں۔ منشی پریم چند، سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، کمال امروہی، راجندر سنگھ بیدی جیسی کتنی ہی اہم شخصیتیں ہیں جو یکے بعد دیگرے فلم انڈسٹری سے وابستہ رہی ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی گوناگوں ادبی کاوشوں سے اردو کے دامن کو وسیع سے وسیع تر کر دیا ہے۔

اردو ادیبوں کے لکھے ہوئے فلمی مکالمے اتنے پُر اثر ہوتے ہیں جو مدتوں یاد کئے جائیں گے۔ ایسے مکالمے زبان زدِ خاص و عام ہو گئے ہیں۔ چند مکالمے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

مثلاً: ''جن کے گھر شیشے کے ہوں وہ دوسروں پر پتھر نہیں پھینکا کرتے''

(وقت، ۱۹۶۵ء)

''تیرے دل میں میرے سانسوں کو پناہ مل جائے۔ تیرے عشق میں میری جان فنا ہو جائے۔'' (فنا ۲۰۰۶ء)

اردو ادب سے وابستہ کئی بڑے بڑے شاعروں نے ہندوستانی فلموں کو نہایت معیاری اور مقبول ترین گیت بخشے ہیں۔ ساحرؔ لدھیانوی، مجروحؔ سلطان پوری، سردار جعفریؔ، کیفیؔ اعظمی، جاوید اخترؔ، حسن کمالؔ، شہریارؔ اور ندؔا فاضلی وغیرہ فنکاروں نے فلمی نغمہ نگاری میں ادب کا معیار برقرار رکھا ہے۔

اردو کے مشہور شاعر ساحرؔ لدھیانوی نے اپنے کلام کے زیادہ تر حصّے کو فلموں میں کھپا دیا ہے۔ اس سے فلموں کی مقبولیت میں اور اضافہ ہوا ہے۔

کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے
کہ جیسے تجھ کو بنایا گیا ہے میرے لیے
تو اب سے پہلے ستاروں میں بس رہی تھی کہیں
تجھے زمین پہ بلایا گیا ہے میرے لیے

(کبھی کبھی ۱۹۷۶ء)

مغلِ اعظم، انارکلی، مرزا غالبؔ، رضیہ سلطانہ، امراؤ جان، چودہویں کا چاند جیسی ہماری بے شمار تاریخ ساز فلموں کی زبان خالص اردو ہے۔ ان کے بے شمار نغمے غزلیں اور قوالیاں آج بھی بے حد مقبول ہیں۔

جیسے:

تیری محفل میں قسمت آزما کر ہم بھی دیکھیں گے
اجی ہاں ہم بھی دیکھیں گے

(مغلِ اعظم ۱۹۶۰ء)

فلم ''دھڑکن'' میں نصرت فتح علی خاں کی گائی ہوئی یہ قوالی بھی ہر ایک کے نوکِ زباں پر ہے۔

دولہے کا سہرا سہانا لگتا ہے
دلہن کا تو دل دیوانہ لگتا ہے

اردو شاعری کو نظر انداز کر کے ہندوستانی فلمی گیتوں کا تصوّر بھی عبث ہے۔ مرزا غالبؔ کی زندگی کے واقعات اور ان کے خطوط کے پیشِ نظر سہراب مودی نے ۱۹۵۴ء میں 'مرزا غالبؔ' نام سے ایک فلم بنائی تھی۔ یہ فلم اور اس کی غزلیں بھی بے حد کامیاب رہیں۔

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ہر موڑ پر ہندوستانی سنیما نے گنگا جمنی تہذیب کو برقرار رکھا ہے۔ اس سلسلے میں فلم ''ساتھی'' میں دادا صاحب پالکے ایوارڈ یافتہ مجروحؔ سلطان پوری کا ایک گیت ملاحظہ ہو۔

گھر تیرے دم سے ہے مندر میرا
تو ہے دیوی ' میں پُجاری تیرا
سجدے سو بار کروں آ تجھے پیار کروں
آغوش میں آ آئینہ ہوں میں تیرا

مندر اور پُجاری جیسے الفاظ کے بعد 'سجدے سو بار کروں' کے فقرے کا برجستہ استعمال اس حقیقت پر دال ہے۔ جاوید وششٹ نے کیا خوب کہا ہے۔

کہتے ہیں جسے ہندلمانی سنگم
تہذیب وہ اردو کی ہے گنگا جمنی

ہندوستانی سنیما کے جدید دور میں بھی اردو کا یہ کلچر برقرار ہے۔قیامت سے

قیامت تک' دل چاہتا ہے' جودھا اکبر' فنا' ویر زارا' سانوریا' تارے زمیں پر' دل سے' وغیرہ فلمیں اس کی اچھی مثالیں ہیں۔

وہ یار ہے جو خوش بو کی طرح
ہے جس کی زباں اردو کی طرح
میری شام و رات میری کائنات
وہ یار میرا سیّاں سیّاں

(دل سے ۱۹۹۸)

شاید آسکر انعام (OscarAward) یافتہ گلزار صاحب پہلے نغمہ نگار ہیں جنھوں نے اردو کو زبان یار کا بہترین مظہر بنا دیا ہے۔ انھیں تو وہی محبوب اچھا لگتا ہے جس کی زبان اردو کی طرح ہو۔

اردو زبان کی شیرینی اور ہر دل عزیزی کا رنگ ملیالم فلموں میں بھی رچ بس گیا ہے۔ میگھ ملہار' پاٹّنٹے پالاڑی' جیسی ملیالم فلموں میں غزلوں اور قوالیوں کی مزید چاشنی ملتی ہے۔ مشہور فلم کیرتی چکرا (۲۰۰٦) میں کیلاش خیر کا گایا ہوا نغمہ اس کی بہترین مثال ہے۔

خدا سے منّت ہے میری
لَوٹا دے جنت وہ میری

شبیر احمد نے کیا خوب کہا ہے

تیری میری میری تیری پریم کہانی ہے مشکل
دو لفظوں میں یہ بیاں نہ ہو پائے

جی ہاں یہ بالکل بجا ہے کہ ہندوستانی سنیما اور اردو کی یہ 'پریم کہانی' دو لفظوں میں بیان نہیں ہو پاتی۔

ضمیر

تم مجھے یوں بُھلا نہ پاؤگے
جب کبھی بھی سنوگے گیت میرے
سنگ سنگ تم بھی گنگناؤگے

اس خوب صورت گانے کو آواز کے جادوگر محمد رفیع صاحب نے گایا تھا۔ یہ گانا اتنا مقبول ہے کہ جو کوئی سنتا ہے سنگ سنگ گنگناتا ہی رہتا ہے۔ اس گانے کے بول میں ایک عجیب جادو ہے گویا رفیع صاحب یا خود اردو زبان ہم سے مخاطب ہے ''جب تک میرا گیت سنتے رہوگے تم مجھے بھول نہیں پاؤگے۔''

اس عبارت میں لفظ ''یہ'' گانے کے بدلے، لفظ ''میرا'' محمد رفیع صاحب کے بدلے اور'' تم'' گانا سننے والوں کے بدلے استعمال ہوا ہے۔ عبارت میں اسم کی تکرار سے بچنے کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ کو ضمیر کہتے ہیں۔ ضمیر شخصی، ضمیر موصولہ، ضمیر استفہامیہ، ضمیر تنکیر اور ضمیر استدراک ضمیر کے مختلف اقسام ہیں۔

سرگرمیاں

۱ اردو کے بڑے بڑے شاعروں نے ہندوستانی فلموں کو بے حد معیاری اور مقبول ترین گیت دیے ہیں۔ ایسے کسی ایک شاعر پر اظہارِ خیال کیجیے۔

۲ مشہور نغمہ نگار حسن کمالؔ آپ کے علاقے میں ایک پروگرام کے افتتاح کے لیے

آ رہے ہیں۔ اگر آپ کو ان سے انٹرویو لینے کا موقع ملے تو آپ کیا کیا سوالات کریں گے؟ سوال نامہ تیار کیجیے۔

۳ آپ کے اسکول کے فلم کلب نے مغلِ اعظم، انار کلی، مرزا غالبؔ وغیرہ تاریخ ساز فلموں کی نمائش کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے لیے ایک بروشر (Brochure) تیار کیجیے۔

۴ ہندوستانی فلموں میں گائی ہوئی چند قوالیاں جمع کیجیے اور پیش کیجیے۔

۵ ہندوستانی فلم ہر کوئی پسند کرتا ہے۔ چند فلمیں ایسی ہیں جو ہمارے دل لبھاتی ہیں۔آپ نے بھی ایسی بہت ساری ہندوستانی فلمیں دیکھی ہوں گی۔ کسی ایک پر توصیفی نوٹ تیار کیجیے۔

۶ آپ کے اسکول کے فلم کِلب کے تحت ایک Short film بنائی گئی ہے۔ اس کی Preview show کا اعلان کرتے ہوئے ایک نوٹیس تیار کیجیے۔

۷ ایک مشہور رسالہ نے طلبا کے لیے ''بچّوں پر فلم اور سیرئل کے اثرات'' کے موضوع پر ایک مضمون نویسی کا مقابلہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے لیے ایک مضمون تیار کیجیے۔

۸ ہندوستانی فلموں میں اردو میں لکھے گئے قومی گیتوں کی تعداد بے شمار ہیں۔ اس پر معلومات حاصل کر کے ایک رپورٹ تیار کیجیے۔

سبق - ۹

غزل

دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا
وہ تیری یاد تھی اب یاد آیا

آج مشکل تھا سنبھلنا اے دوست
تو مصیبت میں عجب یاد آیا

دن گذارا تھا بڑی مشکل سے
پھر ترا وعدۂ شب یاد آیا

حال دل ہم بھی سناتے لیکن
جب وہ رخصت ہوا تب یاد آیا

بیٹھ کر سایۂ گل میں ناصؔر
ہم بہت روئے وہ جب یاد آیا

ناصؔر کاظمی

غزل

غزل اردو شاعری کی آبرو ہے۔ غزل عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس صنف کی ابتدا عربی سے ہوئی۔ لغوی معنیٰ عورتوں سے یا عورتوں سے متعلق باتیں کرنا ۔اس کا موضوع حسن وعشق کے معاملات ہیں۔ مگر زمانے کے ساتھ غزل میں ہر طرح کے موضوعات در آنے لگے۔

غزل کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے۔ جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ بقیہ تمام اشعار کے دوسرے مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ آخری شعر مقطع کہلاتا ہے جس میں شاعر اپنا تخلّص استعمال کرتا ہے۔

غزل مسلسل اور غیر مسلسل ہوتی ہے۔ اگر غزل میں ایک ہی موضوع کا بیان ہو تو اسے غزل مسلسل کہیں گے اور موضوع متنوع ہو تو اسے غیر مسلسل غزل سے تعبیر کیا جائے گا۔ اردو غزل گو شعرا میں میر تقی میرؔ، غالبؔ، جگرؔ مرادآبادی، ناصرؔ کاظمی، شکیلؔ بدایونی، پروین شاکرؔ وغیرہ بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ غزل گلوکاروں میں محمد رفیع، پنکج ادھاس، آشا بھونسلے، ہری ہرنؔ، جگ جیت سنگھ، غلام علی، مہدی حسن وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

ناصؔر کاظمی (۱۹۲۵ ـ ۱۹۷۲)

نام سید ناصر رضا کاظمی اور ناصؔر تخلّص تھا۔ ان کی پیدائش انبالہ میں ہوئی۔ ناصؔر کاظمی جدید غزل کے نمائندہ شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ان کی غزلیں اپنے دھیمے لہجے اور جدید طرزِ احساس کی وجہ سے ممتاز ہیں۔ انھوں نے اکثر ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں، جو غزلیہ شاعری میں عام نہیں تھے۔ ناصؔر کاظمی کے کلام میں جدّت، تازگی اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔ ناصؔر کاظمی کی غزل میں ایک خاص طرح کی اداسی کی فضا ملتی ہے۔ لاہور کی ادبی فضا میں ناصؔر کاظمی کی شاعری خوب چمکی جب ان کی شاعری اپنے شباب پر تھی۔ ۴۷ برس کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔ برگِ نے، دیوان، پہلی بارش وغیرہ ان کے کلام کے مجموعے ہیں۔

سرگرمیاں

۱ غزل 'دل دھڑکنے کا سبب' میں عاشق نے اپنے معشوق کی یاد دلاتے ہوئے چند باتیں پیش کی ہیں۔ آپ کی زندگی میں بھی کئی ایسے تجربات ہوئے ہوں گے جو آپ کو متاثر کیے ہوں۔ گذرے ہوئے لمحوں کی یاد میں اپنے دوست کے نام ایک خط تیار کیجیے۔

۲ فرض کیجیے کہ آپ کے اسکول میں غزل پروگرام منعقد ہونے والا ہے اس میں غزل کی مقبولیت پر تقریر کرنے کا موقع ملا تو آپ کیا کیا بتائیں گے ؟ ایک تقریر تیار کیجیے۔

۳ دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا
وہ تیری یاد تھی اب یاد آیا

مذکورہ بالا شعر ہجر و فراق کے موضوع سے عبارت ہے۔ ہجر و فراق سے متعلق لکھے گئے چند اشعار جمع کیجیے۔

۴ آپ نے کئی غزلیں پڑھیں اور سنیں ہوں گی۔ ناصرؔ کاظمی کی اس غزل کا کونسا شعر آپ کو زیادہ پسند آیا ؟ اور کیوں ؟ واضح کیجیے۔

۵ غزل اور نظم اردو شاعری کی اہم اصناف ہیں۔ ان دونوں کا موازنہ اپنے الفاظ میں کیجیے۔

۶ ناصرؔ کاظمی کی غزل میں ایک خاص طرح کی اداسی کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ اس کے پیشِ نظر ناصرؔ کاظمی کی شاعری پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

یونٹ: ۴

یہ دنیا ہے سب کی یہ سب کے لئے

سبق ۔ ۱۰

میری خواہش ہے

ریٹائر ہوتے ہی ایک آرزو مجھے گدگداتی رہی کہ میں کیرالا کے سارے پرائمری ، اپّر پرائمری اور ہائی اسکولوں کا دورہ کروں۔ ہر ایک اسکول کی ہر ایک جماعت میں جاکر ایک مناسب نظم سناؤں اور تھوڑی دیر بچّوں سے تبادلۂ خیال کروں۔ سب کے لیے ہر ایک کلاس میں زیادہ سے زیادہ پانچ پانچ منٹ صرف کروں۔اس طرح اس اسکول کی سب کلاسوں کے دورے ختم کر کے ہیڈ ماسٹر سے دو ایک باتیں کروں۔ پھر اگلے اسکول کا پتہ دریافت کر کے اس کا رخ کروں۔ ہر روز شام چار بجے جب جس اسکول کی زیارت ختم ہوتی ہے تو اس اسکول کے کسی استاد یا طالبِ علم کے گھر پر ٹھہر جاؤں۔ دوسرے روز صبح دس بجے قریب کے کسی اسکول میں پہنچ جاؤں۔

اس کی شروعات شمالی کیرالا کی سرحد کے اسکول سے ہونی چاہیے۔ اس کا انجام جنوبی کیرالا کی سرحد کے آخری اسکول پر ہونا چاہیے۔ اس کے لیے اگر شعبۂ تعلیمات کی اجازت درکار ہو تو وہ بھی حاصل کرنی چاہیے۔ جہاں تک ہو سکے سیاحت پا پیادہ ہو۔ اگر ناگزیر ہو تو سفر بس (Bus) سے بھی ہو۔اسی صورت میں ہم تمام جگہوں کو دیکھ سکتے ہیں اور تمام مکانوں اور مکینوں کو بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اس سفر کے لیے کوئی خاص وقت معین نہ ہو۔ جب چاہے ختم ہو۔ اگر اس سے پہلے میں ختم ہو جاؤں تو ختم ہونے دو۔ ایسا ہوا تو میرے لیے خوشی کا باعث ہوگا۔

راستے میں گر کر مرنا یہ میری بڑی خواہش ہے۔ گاڑی سے ٹکرا کر مرنا یہ شرم کی بات ہے۔ صرف میرے لیے نہیں بلکہ پورے دیس کے لیے۔

میری خواہش یہ ہے کہ میں نرسری، پرائمری، ہائی اسکول کی تعلیم، طریقۂ کارِ تدریس اور طلباء کی زندگی کے بارے میں جہاں تک ہو سکے اپنے خیالات ظاہر کروں۔ ایک اور خواہش یہ بھی ہے کہ ملیالیوں کی پرانی قدروں اور ریت رواجوں کی لوگوں میں جہاں تک ہو سکے اشاعت کروں۔

ملیالیوں میں عموماً دکھائی دینے والی ایک حماقت یہ ہے کہ عالی شان گھر کی تعمیر کی تمنّا۔ اس طرح کی حماقت سے ہونے والے نقصانات سے لوگوں کو متنبّہ کرنا۔ نیز، صارفیت (Consumerism) کلچر کے غلام ہونے کی مضرّت سے بھی ان کو باخبر کرنا۔ ملیالم اور کیرالا کی عظمت سے ان کو آگاہ کرنا۔ جن علاقوں

کی سیر کرتا ہوں' ان علاقوں میں پائی جانے والی اچھائیوں اور بُرائیوں سے باخبر کرتے ہوئے اور دیس باسیوں سے معقول باتیں کرتے ہوئے یوں آگے بڑھوں۔ میری یہ خواہش بھی ہے کہ بنا کسی دل آزاری کے' موقع و محل اور لوگوں کی دل بستگی کا خیال رکھتے ہوئے' اس گفتگو کو جاری رکھوں گا۔

مانا کہ میں ایک ناصح ' مصلح ' سیاست دان تو نہیں ہوں۔ میں کبھی تو ناصح رہا ہوں' نہ مصلح ' نہ سیاست دان۔ یہ بھی میری آرزو ہے کہ کوئی مجھے ایسا نہ سمجھے۔ میری سیاحت اور گفتگو یوں ہونی چاہیے' کسی کے سامنے اپنے ہاتھ نہ پھیلائے جائیں۔ ہاتھ میں دو دھوتیاں اور دو کُرتے ہوں' بس۔ بنیادی ضروریات پوری کرنے کی رقم یعنی دو یا تین روز کے اخراجات کا پیسہ ہو۔

لوگ اپنی مرضی سے جو بھی کھانا دیں' وہ قبول کیا جائے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے کسی گاڑی کی ضرورت پڑ جائے تو وہ بھی قبول ہو۔ میری اصلیت اور مقصدِ سفر بتائے بنا مجھے اپنا سفر جاری رکھنا چاہیے۔ میرے منہ سے ایک کلمہ بھی نہ نکلے جس میں دوسرے لوگ میری طرف متوجہ ہوں' اس سفر کے دوران ہو رہے' تجربات اور مشاہدات کا اندراج نہ کریں۔

فرض کیجیے اس سیاحت سے فراغت کے بعد اگر میری عمر نے وفا کی اور صحت نے میرا ساتھ دیا تو ہرگز یہ خیال بھی میرے دل میں نہ لانا چاہیے کہ اس سفر کے بارے میں اس وقت لکھوں۔ اگر اس سفر کے دوران کسی طرح کی رکاوٹ پیش آئے' اس کے بارے میں سوچ کر پریشان اور مایوس نہ ہو جاؤں۔

ایک علاقہ پار کر کے دوسرے علاقہ پہنچنے پر اگر کوئی یوں کہے کہ فلاں علاقے میں فلاں آدمی سے ملاقات تو کر سکتے ' فلاں فلاں جگہ دیکھ سکتے۔ اس کے لیے دوبارہ واپس نہ ہونا چاہیے۔ یہ دکھ بھی دل میں نہ ہونا چاہیے کہ میں ان مقامات کی دیدار سے محروم رہا ہوں۔ میرا یہ سفر درویشانہ اور بے آس ہونا چاہیے۔ یہ جہاں گردی میرے حق میں ایک مقدس زیارت سے بڑھ کر ہے۔

آپ بیتی

آپ بیتی ادب کی ایک خاص صنف ہے۔ آپ بیتی کا مطلب اپنی زندگی کا حال بیان کرنا ہے۔ اس بیان کے دائرے میں پوری زندگی بھی آ سکتی ہے اور زندگی کا کوئی خاص دور یا واقعہ بھی۔ آپ بیتی لکھنے والا اپنی یادوں کو مرتّب اور محفوظ کرتا ہے۔ اپنے تجربوں میں پڑھنے والوں کو بھی شریک کرنا چاہتا ہے اور اپنے قاری کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ اس نے دنیا اور اس کے لوگوں کو کس نظر سے دیکھا ہے۔ رشید احمد صدیقی کی 'آشفتہ بیانی میری' جوشؔ ملیح آبادی کی 'یادوں کی برات' مہاتما گاندھی کی' تلاشِ حق' جواہر لال نہرو کی 'آزادی کی اور' اے پی جے عبد الکلام کی 'پروازِ آتش' وائکم محمد بشیر کی 'اورمیوڈے اَرَکَل' (OrmayudeArakal) اور کنجونّی ماش کی 'اینّیلوڈے' (Enniloode) وغیرہ مشہور آپ بیتیاں ہیں۔

کنجونّی ماش (۱۹۲۷ - ۲۰۰۶)

کنجونّی ماش ضلع ملاپورم کے پوتّانی تحصیل کے پاس ایک گاؤ ناٹیکا فرقہ پلّی پُرم میں ۱۹۲۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام نیلا کنڈھن موسد اور والدہ نارائنی امّا ہیں۔ایس ایس ایل سی اور ٹیچر ٹریننگ کی سند حاصل کرنے کے بعد انھوں نے ہائر ایلیمنٹری اور سیکنڈری اسکولوں میں استاد کی حیثیت سے خدمات انجام دیں ہیں۔ انہوں نے رامناٹّوکرا اور کالی کٹ کے راماکرشن مشن اسکول میں بھی استاد کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۸۲ء میں وہ ریٹائر ہوئے۔

۱۹۹۹ء میں انہیں بال ساہتیہ ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ ان کی نظموں کا مجموعہ کنجونّی کی نظمیں (کنجونّی گویتاکل) کو بھی بالا ساہتیہ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے انعام ملا۔ نثر و نظم میں ان کے تیس سے زیادہ مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ جن میں 'کنجونّی کی نظمیں' لکیریں اور سطور (وراکلُم وریکلُم) ' کنجونّی ماسٹر اور بچّے (کنجونّی ماشُم کُٹّیکلُم) ' دروازہ (واتِل) ' بڑے بننے کے لیے (ولیاوناکان) وغیرہ ان کے اہم مجموعے ہیں۔ ۲۰۰۶ء میں ان کا انتقال ہوا۔

تذکیر و تانیث

بچّو ! ذیل کی عبارت پر غور کیجیے۔

''ریٹائر ہوتے ہی ایک آرزو مجھے گدگداتی رہی کہ میں کیرالا کے سارے پرائمری، اپّر پرائمری اور ہائی اسکول کا دورہ کر ڈالوں۔ ہر ایک اسکول کی ہر ایک کلاس میں جا کر ایک مناسب نظم سناؤں اور تھوڑی دیر بچّوں سے تبادلۂ خیال کروں۔ سب کے لیے ہر ایک کلاس میں زیادہ سے زیادہ پانچ پانچ منٹ صرف کروں۔ اور اس طرح اسکول کے سب کلاسوں کے دورے ختم کر کے ہیڈماسٹر سے دو ایک باتیں کروں۔ پھر اگلے اسکول کا پتہ دریافت کرکے اس کا رُخ کروں۔''

اس عبارت میں آرزو، اسکول، کلاس، نظم، دیر، منٹ، دورے، بات، پتہ وغیرہ چند اسماء ہیں۔ جن میں مذکّر اور مؤنّث بھی ہیں۔ جانداروں کی تذکیر و تانیث کی پہچان آسان ہے۔ اردو میں بے جان چیزوں کی تذکیر و تانیث بھی ہوتی ہے۔ اس کی پہچان ضروری ہے۔ تاکہ ہم جملوں کو صحیح طور پر استعمال کر سکیں۔ اس کے چند قاعدے حسبِ ذیل ہیں۔

- ☆ تمام زبانوں کا نام مؤنّث ہے۔
- ☆ کتابوں کے نام عموماً مؤنّث ہوتے ہیں۔
- ☆ 'ت'، 'ش' اور 'ی' پر ختم ہونے والے الفاظ عموماً مؤنّث ہوتے ہیں۔

☆ دنوں اور مہینوں کے نام عموماً مذکّر ہوتے ہیں۔

☆ دھاتوں کے نام عموماً مذکّر ہوتے ہیں۔

☆ ستاروں اور سیّاروں کے نام عموماً مذکّر ہوتے ہیں۔

☆ 'ا' 'ہ' پر ختم ہونے والے الفاظ عموماً مذکّر ہوتے ہیں۔

سرگرمیاں

۱ کنجونّی ماش کہتے ہیں کہ '' گاڑی سے ٹکرا کر مرنا شرم کی بات ہے۔صرف میرے لیے نہیں، بلکہ پورے دیس کے لیے۔'' ہم جانتے ہیں کہ آج کل سڑک کے حادثات بڑھتے جا رہے ہیں۔ Road Safety Week کے تعلق سے اپنے اسکول کے طلباء کو دینے کے لیے چند تجاویز پر مشتمل ایک اطلاع نامہ (Pamphlet) تیار کیجیے۔

۲ '' کیرالا والے آج کل صارفیت کے کلچر (Consumer Culture) کے عادی ہو چکے ہیں۔'' کنجونّی ماش کے اس قول پر آپ کہاں تک متفق ہیں ؟ اپنے خیالات پیش کیجیے۔

۳ ملیالی کے پرانے اور نئے زمانے کی قدروں اور ریت رواجوں میں آپ کیا کیا نمایاں فرق محسوس کرتے ہیں ؟ ایک رپورٹ پیش کیجیے۔

۴ ہند کی انگشتری کا ہے نگینہ کیرالا
ہے کئی اشیائے نادر کا خزینہ کیرالا

یہ اردو کے مشہور شاعر سید محمد سرؔور کا شعر ہے۔ آپ کے اسکول کے آرٹس کِلب (Arts Club) کے تحت یکم نومبر کو ''کیرالا پروی دنم'' بڑی دھوم دھام سے منانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس جلسے میں شریک ہو کر آپ کیرالا کی اہمیت اور عظمت پر کیا کیا بتائیں گے؟ ایک تقریر تیار کیجیے۔

۵ سبق 'میری خواہش ہے' میں کنجونّی ماسٹر نے اپنی زندگی کا ایک پہلو آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس طرح بہت ساری آپ بیتیاں آپ پڑھی ہوں گی۔ کسی ایک آپ بیتی پر اپنے تاثرات لکھیے۔

۶ آپ کی اسکولی زندگی میں بہت سارے ایسے واقعات ہوئے ہوں گے' جو آپ کبھی نہیں بھول سکتے۔ ایسا کوئی ایک واقعہ آپ بیتی کی شکل میں پیش کیجیے۔

۷ آپ کے آس پاس موجود چند چیزوں کے نام لکھیے۔ واحد اور جمع اور ان کو مذکّر اور مؤنّث کے طور پر الگ کر کے ایک فہرست کی شکل میں پیش کیجیے۔ ان سے چند جملے بنائیے۔

سبق - ۱۱

شکایت

تمہاری شکایت بجا ہے
مگر تم سے پہلے بھی
دنیا یہی تھی
یہی آج بھی ہے
یہی کل بھی ہوگی
تمہیں بھی اسی اینٹ پتھر کی دنیا میں
پل پل بکھرنا ہے
جینا ہے مرنا ہے
بدلتے ہوئے موسموں کی یہ دنیا
کبھی گرم ہوگی
کبھی سرد ہوگی
کبھی بادلوں میں نہائے گی دھرتی
کبھی دور تک
گرد ہی گرد ہوگی
فقط ایک تم ہی نہیں ہو

یہاں جو بھی اچھی طرح سوچتا ہے
زمانہ کی نیرنگیوں سے خفا ہے
ہر ایک زندگی اک نیا تجربہ ہے
مگر جب تلک یہ شکایت ہے زندہ
یہ سمجھو زمین پر محبت ہے زندہ

آزاد نظم

اصطلاحی معنوں میں غزل کے علاوہ تمام اصناف میں کی جانے والی شاعری کو 'نظم' کہتے ہیں۔ ہیئت کے اعتبار سے نظم کی کئی قسمیں ہیں۔ پابند نظم، نظمِ معرا، آزاد نظم، نثری نظم وغیرہ۔ آزاد نظم وہ ہے جس میں قافیہ اور ردیف کی پابندی نہیں ہوتی اور اس کے ارکانِ بحر کم یا زیادہ ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کے مصرعے چھوٹے بڑے ہو سکتے ہیں۔ آزاد نظم نگاری میں علقمہ شبلؔی، پروین شاکرؔ، ن۔م راشدؔ، ندا فاضلؔی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

ندا فاضلؔی (۱۹۳۸)

ندا فاضلؔی کا اصلی نام مقتدا حسن فاضلی ہے۔ ان کی پیدائش دلی میں ہوئی ۔ ان کے والد مرتضیٰ حسن تھے۔ بی۔اے تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد فلمی دنیا کی طرف مائل ہوئے۔ ان کو غزل اور نظم دونوں پر ہی

عبور حاصل ہے۔ زندگی کی چھوٹی چھوٹی حقیقتوں کو انھوں نے اپنی شاعری کاموضوع بنایاہے۔ ان کی شاعری میں جدیدیت اور ما بعد جدیدیت کے رجحانات بھی صاف طور پر نمایاں ہیں۔ ان کی شاعری کی زبان عام فہم اورآسان ہے۔ اس میں ایک ایسی کشش ہے جو قاری کے دل کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ 'لفظوں کا پل' 'مور ناچ' 'آنکھ اور خواب کے درمیاں' 'کھویا ہوا سا کچھ' وغیرہ ان کے مشہور شعری مجموعے ہیں۔

سرگرمیاں

۱۔ اس نظم میں شاعر نے زندگی سے متعلق کئی شکایتیں کی ہیں۔ اس پر آپ کے خیالات پیش کیجیے۔

۲۔ نظم 'شکایت' میں آپ کے پسندیدہ اشعار چن کر مفہوم بیان کیجیے۔

۳۔ بدلتے ہوئے موسموں کی یہ دنیا
کبھی گرم ہوگی
کبھی سرد ہوگی
آپ کے پسندیدہ موسم پر اپنے تجربات بیان کیجیے۔

۴۔ آج کل موسم تبدیل ہوتے جارہے ہیں۔ اس کی کیا وجوہات ہیں؟ بحث کر کے نوٹ تیار کیجیے۔

۵۔ اپنے پسندیدہ موضوع پر چند اشعار لکھ کر پیش کیجیے۔

۶۔ نظم شکایت کی طرح دوسری آزاد نظمیں جمع کیجیے۔

سبق - ۱۲

رباعی

کچھ وقت سے اک بیج شجر ہوتا ہے
کچھ روز میں ایک قطرہ گہر ہوتا ہے
اے بندۂ نا صبور، تیرا ہر کام
کچھ دیر میں ہوتا ہے، مگر ہوتا ہے

امجدؔ حیدر آبادی

امجدؔ حیدر آبادی

امجدؔ حیدر آبادی اردو کے مقبول رباعی گوشاعر ہیں۔ نام سیّد احمد حسین ، تخلّص امجدؔ تھا۔ ان کی پیدائش یکم جنوری ۱۸۸۸ء حیدرآباد میں ہوئی۔ اردو اور فارسی میں شعر کہنا شروع کیا۔ پہلی نظم دنیا اور انسان ۲۱ سال کی عمر میں لکھی۔ اردو کلام کی اصلاح حبیب صاحب کشوری اور فارسی کلام علامہ ترکی صاحب سے لی۔ آپ کی رباعیا ت کا مجموعہ آگرہ سے شائع ہوا۔ جس کو مولانا حالیؔ اور مولانا شبلیؔ نے بے حد پسند فرمایا۔ انہیں فلسفیانہ اور تصوفانہ خیالات میں زیادہ دلچسپی پیدا ہوئی۔ ان کی رباعیات کے دو مجموعے ''رباعیاتِ امجد'' اور ''ریاض امجد'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

سرگرمیاں

۱ اس شعر کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھیے۔

اے بندۂ ناصبور تیرا ہر کام
کچھ دیر میں ہوتا ہے، مگر ہوتا ہے

۲ اوپر دیے گئے شعر میں شاعر نے صبر کی اہمیت خوبصورت انداز میں پیش کی ہے۔ اس پر آپ کے خیالات واضح کیجیے۔

۳ رباعی اور نظم اردو شاعری کی دو اہم اصناف ہیں۔ ان دونوں کا موازنہ کیجیے اور ایک مختصر نوٹ تیار کیجیے۔

۴ آپ نے کئی رباعی گو شاعروں کے بارے میں پڑھا ہوگا۔ کسی ایک رباعی گو شاعر کے بارے میں نوٹ تیار کیجیے۔

سبق - ۱۳

مجھے کچھ کہنا ہے

دوستو !

ہندوستان کے لیے میرے پاس تین نظریے ہیں۔ گزشتہ ہماری تین ہزار سال کی تاریخ کا جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ دنیا کے تمام حصّوں سے لوگ یہاں آئے اور ہم پر حملہ کیے، ہماری زمینوں پر قبضہ کیے، ہمارے دل و دماغ فتح کیے۔ سکندر اعظم سے لے کر یونانی ، ترکی ، مغل ،

پُرتگال، فرانسیسی، انگریز وغیرہ سارے لوگ آئے اور ہمیں لُوٹے اور ہمارا سب کچھ لے کر چلے گئے۔ تاہم ہم نے کسی دوسرے ملک کے خلاف ایسا نہیں کیا۔ ہم نے دوسروں کو جیتا نہیں، نہ ان کی زمین، نہ ان کی تہذیب اور نہ ان کی تاریخ کو چھینا اور نہ ہی کبھی ہماری زندگی کے طور طریقے ان پر لادنے کی کوشش کی۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہم دوسروں کی آزادی کا احترام کرتے ہیں۔ اس لیے میرا پہلا نظریہ ہے آزادی۔ مجھے یقین ہے کہ ۱۸۵۷ء میں جب ہم نے آزادی کی جنگ لڑنی شروع کی تو ہندوستان نے اس کا پہلا نظریہ حاصل کیا۔ یہ وہی آزادی ہے جس کی ہمیں حفاظت کرنی چاہیے۔ اگر ہم آزاد نہیں ہیں تو کوئی بھی ہمارا احترام نہیں کرے گا۔

ہندوستان کے لیے میرا دوسرا نظریہ ترقی کا ہے۔ پچاس سال سے ہمارا ملک ترقی پذیر رہا ہے۔ ہمیں خود اپنے ملک کو ایک ترقی یافتہ ملک کے روپ میں دیکھنے کا اب وقت آ گیا ہے۔ دنیا کے ان پانچ Gross Domestic Production کے اہم ممالک میں سے ہم ایک ہیں۔ زیادہ سے زیادہ میدانوں میں ہماری دس فی صد ترقی ہے۔ ہماری غریبی کی سطح گر رہی ہے۔ ہماری کامیابیوں کو آج عالمی سطح پر شناخت کی جا رہی ہے۔ تاہم ہمارے ملک کو ترقی یافتہ، خود تجدیدی اور پُر اعتماد ملک کے روپ میں دیکھنے کے لیے ہمارے پاس خود اعتمادی کا فقدان ہے۔ کیا یہ ٹھیک نہیں ہے؟

میرا تیسرا نظریہ ہے ہندوستان کو دنیا کے برابر کھڑا ہونا، کیوں کہ

مجھے یقین ہے کہ ہندوستان دنیا کے برابر کھڑا نہیں ہوا تو کوئی بھی ہمیں احترام نہیں کرے گا۔ صرف طاقت ہی طاقت کا احترام کرے گی۔ ہمیں نہ صرف فوجی قوت کی طرح مضبوط ہونا چاہیے بلکہ ہماری اقتصادی قوت بھی مضبوط ہونی چاہیے۔

ہم ایک عظیم ملک کے رہنے والے ہیں۔ ہماری بہت سی حیرت انگیز کامیاب کہانیاں ہیں، لیکن انہیں پہچاننے سے ہم انکار کرتے ہیں کیوں؟ ہم دودھ کی پیداوار میں اوّل نمبر پر ہیں۔ ریموٹ سینسنگ سیٹ لائٹ (Remote Sensing Satelite) چھوڑنے میں ہم اوّل نمبر پر ہیں۔ گیہوں اور چاول کی پیداوار میں دوسرے نمبر پر ہیں۔ ڈاکٹر سدرشن کو دیکھیے۔ انھوں نے آدی باسی گانْو کو اپنے بل بوتے پر قائم رہنے والا اور خود چلنے والے ایک یونٹ میں تبدیل کر دیا ہے۔ ہماری ایسی لاکھوں کامیابیاں ہیں، لیکن ہمارے ذرائعِ ابلاغ کا نظام ایسا ہے جس نے ذہن کو خراب کرنے والی اور زہرآلودہ خیالات سے بھری خبروں کو اپنے ذہن میں بٹھا لیا ہے۔ ذرائعِ ابلاغ یہ منفی رویہ کیوں اختیار کیے ہوئے ہے۔

ایک مرتبہ میں تل اویو (Telaviv) میں تھا اور اسرائیلی اخبار پڑھ رہا تھا۔ گذشتہ دن بم کے دھماکے میں کئی لوگ مارے گئے تھے اور حماس نے ہڑتال بھی کیا تھا۔ لیکن اس اخبار نے اپنے سر ورق پر ایک شریف یہودی کی تصویر شائع کی جس نے پانچ سال کے اندر اپنی بنجر زمین کو بڑی مقدار میں اناج اور گیہوں کو اُگانے والی زرخیز زمین میں تبدیل کر دیا تھا۔

اس ترغیب دینے والی تصویر سے سب لوگ بیدار ہوئے۔ قتل و غارت گری، بمباری، اموات جیسی خونریز خبریں اخباروں میں تھیں، لیکن دوسری خبروں کے بیچ میں دفن ہو گئی تھیں۔ ہندوستان میں ہم صرف اموات، بیماریاں، دہشت گردی اور جرائم کی خبریں ہی پڑھتے ہیں۔ ہم اس طرح کا منفی مزاج کیوں رکھتے ہیں ؟ ایک اور سوال یہ ہے کہ ایک قوم پرست باشندہ ہونے کے ناطے ہم نے غیر ملکی چیزوں کو اپنے ذہن پر کیوں مسلط کر لیا ہے ؟ ہمیں غیر ملکوں کی ٹی وی چاہیے، غیر ملکوں کے شیرٹ (Shirt) چاہیے۔ ہمیں غیر ملکی تکنالجی چاہیے۔ ہم نے ہر درآمداتی چیزوں کو اپنانے کا ذہن کیوں بنا لیا ہے ؟ کیا ہم نے یہ سمجھا نہیں کہ خود داری اپنے بل اور اپنے وسائل سے پیدا ہوتی ہے۔

یہ لیکچر دینے کے لیے جب میں حیدرآباد آیا تب ایک چودہ سالہ لڑکی نے میرا دستخط طلب کیا۔ میں نے اس سے پوچھا زندگی میں تمھارا مقصد کیا ہے ؟ اس نے جواب دیا۔ ’’ میں ترقی یافتہ ہندوستان میں رہنا

چاہتی ہوں۔'' اس لڑکی کے لیے تم کو اور مجھ کو ترقی یافتہ ہندوستان بنانا ہوگا۔ تمھیں یہ اعلان کرنا چاہیے کہ ہندوستان ترقی پذیر ملک نہیں ہے۔ یہ اعلیٰ درجے کا ترقی یافتہ ملک ہے۔

اے۔پی۔جے۔عبد الکلام

سابق صدرِ جمہوریۂ ہند اے۔پی۔جے۔ عبد الکلام کی پیدائش رامیشورم میں ہوئی۔ ایک سائنس دان، مقرّر اور مصنّف کی حیثیت سے بھی انھوں نے اپنی خدمات انجام دی ہیں۔ آپ مدراس یونیورسٹی سے انجینئر نگ پاس کرنے کے بعد DRDO اور ISRO میں انجینئر کی حیثیت سے منسلک رہے۔ وہاں پر ان کی خدمات خلائی تحقیق اور ذریعۂ ابلاغ کی ترقی کے لیے قابلِ داد ہیں۔

وہ جدھر بھی جائیں طلبا اور نوجوانوں سے بحث کا موقع ڈھونڈتے ہیں۔ یہ ان کے لیے ایک محرکہ بنتا ہے۔ وہ ایک اچھے مقرّر بھی ہیں۔ اپنی تقریروں میں وہ اپنے نظریے کو مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ Wings of Fire, India 2020, Ignited Minds وغیرہ آپ کی اہم تصانیف ہیں۔

متعلق فعل

بچّو ! آپ اس عبارت پر غور کیجیے۔

اے۔ پی۔ جے۔ عبد الکلام ہندوستان کو ترقی کی راہ میں آگے آگے چلانا چاہتے ہیں۔ وہ ایک مقرر بھی ہیں۔ ان کی تقریریں لوگوں کے دل میں بہت جلد گھر کر لیتی ہیں۔انھوں نے صدرِ جمہوریہ کی حیثیت سے بھی اپنی خدمات کامیابی کے ساتھ انجام دی ہیں۔

اس عبارت میں '' آگے آگے' بہت جلد' کامیابی کے ساتھ'' وغیرہ چند ایسے الفاظ ہیں' جو اس کے ساتھ آنے والے افعال کی خصوصیات ظاہر کرتے ہیں۔عموماً کسی فعل کی خصوصیات یا کمیت ظاہر کرنے کے لیے اس کے ساتھ استعمال ہونے والی صفات کومتعلق فعل کہتے ہیں۔

سرگرمیاں

۱ ڈاکٹر اے۔پی۔جے۔ عبد الکلام نے اپنی تقریر میں '' تل اویو'' کے تجربات نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ اس روشنی میں ہندوستان کی ترقی کے سلسلے میں میڈیا (ذرائعِ ابلاغ) کے رول پر اپنے خیالات بیان کیجیے۔

۲ اے۔پی۔جے۔ عبد الکلام نے '' تل اویو'' کے تجربات بیان کرتے ہوئے ایک ملک کی ترقی کے سلسلے میں کاشت کاری کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ ایک ملک کی ترقی میں کسان اور کاشت کاری کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔

۳ فرض کیجیے اس تقریری جلسے میں آپ ایک صحافی کی حیثیت سے شریک ہیں۔ اس تقریر کی ایک مختصر رپورٹ آپ کیسے تیار کریں گے ؟ لکھیے ۔

۴ اگر آپ کو اے۔ پی۔ جے۔ عبد الکلام سے ملنے کا موقع ہوا تو ان کے نظریات کی روشنی میں آپ کیا کیا سوالات کریں گے ؟ سوال نامہ تیار کیجیے۔

۵ اگر آپ کو کسی تقریب کی استقبالیہ تقریر میں اے۔ پی۔ جے۔ عبد الکلام کو تعارف کرانے کا موقع ملے تو آپ کیا کیا بتائیں گے ؟ ایک تقریر کی شکل میں لکھیے اور پیش کیجیے۔

۶ آپ کے اسکول میں یومِ زراعت کے موقع پر منعقد کیے جانے والے کسی پروگرام کے لیے ایک نوٹیس تیار کیجیے۔

۷ آپ کے علاقے کے کسی کِلب کے تحت یومِ آزادی کے موقع پر منعقد ہونے والے تقریری مقابلے میں اگر آپ حصہ لیں تو ''میرے خواب کا ہندوستان'' کے موضوع پر کیا کیا بتائیں گے ؟ پیش کیجیے۔

۸ متعلق فعل استعمال کر کے چند جملے لکھیے ۔

فرہنگ

اجداد	: باپ دادا
اجراء	: جاری کرنا، Release
احترام کرنا	: عزّت کرنا
اداکار	: تمثیل کار، Actor
استانی	: Lady teacher
استرے	: بال مونڈنے کا اوزار
استغاثہ	: عدالت میں دعویٰ دائر کرنا
اشتہار	: تشہیر، Advertisement
اصرار کرنا	: تقاضا کرنا
اعلان	: منادی کرنا
اقارب	: رشتہ دار
اقتصادی	: Economical
الجھاؤ	: مشکل
الفت	: محبت
اناج	: دھان، غلّہ Grain
اندراج کرنا	: درج کرنا
اوندھے منہ لیٹنا	: الٹا لیٹنا
آبیاری	: آب پاشی، سینچائی

آرا	: رائے کی جمع، Opinion
آغوش	: گود
آکڑ پھرنا	: بدتمیز، uncivilized
آگے بڑھنا	: آگے چلنا، to proceed
آئین	: ملک کا بنیادی قانون
با	: کستوربا (گاندھی جی کی بیوی)
باخبر کرنا	: خبردار کرنا، ہوشیار کرنا
بارآور	: نتیجہ خیز، پھل لانے والا
بٹوارے	: تقسیم
بجا	: درست
برجستہ	: بے اختیار
بزم	: سبھا، محفل
بکھرنا	: الگ الگ ہونا
بل بوتے	: طاقت، Power
بلاتامل	: بغیر شک کے
بلکنا	: رونا، بلبلانا
بنجر زمین	: خالی زمین، Wasteland

بنیادی ضروریات : Basic needs
بوکھلانا : گھبرانا
بے آس : بنا کسی آرزو کے
بے باک : بے خوف، نڈر
بے خطا : جس کا نشانہ نہ چوکے
بے ضرر : بے صدمہ، بے نقصان
بے نوا : بے کس، فقیر
بیج : تخم، Seed
پاپیادہ : پیدل
پچھواڑا : پشت کا، پیچھے کا
پنڈلیاں : ساف calf of the leg
پھٹکار : لعنت
پیداوار : Production
پُراعتماد : بھروسہ کے ساتھ
تاڑنا : سمجھ لینا
تبادلۂ خیال کرنا : ایک دوسرے کے ساتھ بات کرنا
تبادلہ : ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا
تپتی ہوئی دھوپ : گرم دھوپ
تجدید : نیاپن، Renovation
تحریر : لکھاوٹ

تخم ریزی : بیج بونا
ترقی پذیر : Under developed
ترقی یافتہ : Developed
ترقی : Development
ترکِ وفا : وفا چھوڑنا
تسلیم کرنا : ماننا
تشہیر : مشہور کرنا
تعزیراتِ ہند : Indian Penal Code
تعمیر کرنا : بنانا
تکنالجی : Technology
تہذیب : Culture
ثبت : نقش، تحریر
جابر : جبر کرنے والا، ظالم
جاں فروشی : جان کی قربانی
جذب : چوسنا
جرائم : جرم کی جمع
جلال : رعب (AWE)
جنگ : Battle, War
جنگلہ : لوہے کی سلاخوں کی باڑھ
جواں مرد : بہادر
جہاں گردی کرنا : دنیا کا چکّر لگانا

جھنجھٹ	: جھگڑا، تکرار، الجھن
چاشنی	: ذائقہ
چمن زار	: پھولوں کا جھنڈ
چہ میگوئیاں	: گپ شپ
چھدرے	: جھرجھرا، Defect flow
چھوڑنا	: Launch
چھین لینا	: زبردستی سے لینا
چھیڑنا	: ستانا، Tease
حاصل کرنا	: to get, achieve
حصار	: قلعہ
حق گوئی	: سچ کہنا، صداقت
حماقت	: بے عقلی، Blunder
حیرت انگیز	: متعجب، تعجب خیز
خاطر	: دھیان ' خیال
خفا	: ناراض
خلوت	: تنہائی
خواہش	: آرزو ' ارمان
خودداری	: Self esteem
خونریز	: خون آلودہ
خو	: عادت
دالان	: Veranda

دانشمند	: سمجھدار، ہوشیار
دائمی	: ہمیشہ رہنے والا
درآمد کرنا	: to import
درویش	: صوفی
دریافت کرنا	: پوچھ تاچھ کرنا
دستہ	: خوبیوں کا جھنڈ
دفن کرنا	: to bury
دل آزاری	: دل کو دکھ پہنچانا
دل بستگی	: دلداری' دل رکھنا
دورہ	: گھومنا پھرنا
دہر	: وقت' زمانہ
دہشت گردی	: Terrorism
دھڑکنا	: حرکت کرنا
دُکھنا	: درد ہونا
ذرائعِ ابلاغ	: Mass Media
ذہن	: سمجھ
رائج الوقت	: جو کسی خاص وقت یا زمانے میں رائج ہو
رسوائی	: بدنامی
رقم	: مبلغ ' Amount
روش	: طور طریقہ

ریت رواج : رسم ورواج، Custom
رُخ کرنا : قصد کرنا
زردار : دولت مند
زہر مارنا : مجبوراً کوئی چیز کھانا
سایۂ گل : پھول کا سایہ
سرحد : حد، سیما
سطح : Level
سطوت : شان وشوکت
سمت : جہت
سنبھلنا : قابو میں آنا
سو : جو
سوج : Swelling
سوختہ : جلا ہوا
سیاست دان : Politician
سیلاب : طغیانی، Flood
شارٹ ہینڈ : مختصر نویسی
شانہ بہ شانہ : Shoulder to shoulder
شاہد : گواہ
شب : رات
شجر : پیڑ

شروعات : آغاز، ابتدا
شریعت : مذہبِ اسلام کے قانون
شعبہ : محکمہ، Department
شناخت : Identity
شوروغوغا : شوروغل مچانا
صارفیت : Consumerism
صحت : تندرستی
صرف کرنا : خرچ کرنا
صنّاع : بہت بڑا کاری گر
طاق : محراب
طرفین : فریقین، دونوں طرف سے
طورطریقے : رواج، Custom
طولانی : لمبا، طویل
طیش : غصہ
ظہور : جلوہ، رونق
عالمی سطح : بین الاقوامی سطح
عبث : بے کار
عجب : انوکھا
عداوت : دشمنی
عقیدت : بھروسہ، محبت
عہدِ شباب : جوانی کا زمانہ

غریبی : Poverty
غلامانہ : غلاموں جیسے
فاقہ : بھوک
فراغت : فرصت
فصیل : چاردیواری
فقدان : کمی ' Defeciency
فوج : لشکر
فی الحقیقت : حقیقت میں، دراصل
فی صد : Percent
قبح : بُرائی' عیب
قبضہ کرنا : قابو پانا
قدریں : Values
قطرہ : بوند
قطع کرنا : تعلق ختم کرلینا
قندیل : چراغ
کاروبار : دھندا' بیوپار
کاوشات : تخلیقات
کرید : تلاش
کشادہ : وسیع
کہنہ : پرانا
کھپانا : استعمال کرنا

کھمبا : ستون
گدگدانا : شوق چرانا' Tickle
گرد : دھول
گزشتہ : گذراہوا ' Past
گنگنانا : بھنبھنانا' to hum
گوناگون : مختلف
گہر : موتی
لحظہ : پل، لمحہ
لواحقین : رشتہ دار
لوٹ لینا : Looting
ماوف : وہ جس کو صدمہ پہنچا ہو
متنبہ کرنا : باخبر کرنا' Beaware
مجروح : زخمی
محل وقوع : مقام، جگہ
مخمصے : جھگڑے
مشورہ : صلاح
مصلح : Reformer
مضائقہ : حرج
مطلق الحکم شہنشاہ : وہ بادشاہ جس کا حکم ماننا ہر حال میں ضروری ہو
مظہر : ظاہر ہونا' عیاں

معقول : مناسب ، Sensible

معیار : پیمانہ، Standard

مفلس وگدا : غریب اور بھکاری

مقدس زیارت Pilgrimage

مقدمہ دائر کرنا :To file a case

مقصد :Aim, Purpose

مکان ومکین : گھر اور گھر میں رہنے والے

مکروزور : برائی اور زیادتی

ململ : ایک قسم کا سوتی کپڑا

منت سماجت : خوشامد درآمد، عاجزی

منفی :Negative

منقّش : نقش کیا گیا

منّت : التجا، درخواست

مورخ : تاریخ لکھنے والا

مہمل : بےمعنی

میزباں : دعوت دینے والا

نار : آگ

ناسور : ایک بیماری کا نام ، پھوڑا

ناصبور : صبر نہ کرنے والا

ناصح : نصیحت کرنے والا، واعظ

ناقص : عیب دار، Defective

ناگزیر : لازم ، لابدی

نظام :System

نظریہ :Vision

نغمہ نگار : گیت لکھنے والا

نوکِ زبان : زبان کا سرا

نہاری : ایک قسم کا سالن

نیز : بھی ، Also

نیرنگی : نیا رنگ

وابستہ : منسلک

وارے جانا : مرمٹنا، مہرباں کرنا

واضح : صاف

وحشت : جنون

وصل : ملن

وعدہ : عہد ، اقرار

وقار : شان (Prestige)

ہادی : ہدایت کرنے والا

ہندلمانی : ہنداور جرمنی